نور الحبیب ۲۰۰۸

جلد 16

سیدنا امام حسین رض



دین پناہ است حسین رضی اللہ عنہ

پروفیسر سید عبدالرحمٰن بخاری

یہ محض ہمارا عقیدہ وایمان ہی نہیں، فی الواقع اٹل حقیقت ہے کہ اس کارگاہِ عالم میں زندگی کی ہر حرکت اور ہر سکون کی ہر کیفیت خلاقِ عالم کی مشیت، اِذن اور حکمت کا مظہر ہے--- اس کی منشا اور اِذن کے بغیر کوئی پتا، کوئی ذرّہ اور کوئی قطرہ جنبش نہیں کر سکتا[1] بساطِ ہستی پر جتنے بھی واقعات، حادثات اور معاملات رونما ہوتے ہیں، سب کے پسِ پردہ اُسی ذاتِ حکیم وقادر جل جلالہ کی مشیت وحکمت کارفرما ہوتی ہے--- انسانی دنیا میں پیدائش سے موت تک پھیلے ہوئے عرصۂ حیات میں افراد اور قوموں پر جو کچھ بیتتا ہے، سب اُسی کی ہستیٔ پنہاں کے نظامِ تکوین کا آئینہ ہے--- اصل یہ ہے کہ دنیا کی تخلیق سے لے کر اختتام تک پیش آنے والے تمام واقعات، حادثات اور معاملات ایک پوشیدہ نظامِ تکوین کی مختلف لیکن انتہائی مربوط اور مسلسل کڑیاں ہیں--- اس کارخانۂ ہستی میں رونما ہونے والا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی نظامِ قدرت کا اہم اور فعّال عنصر ہوتا ہے---

زندگی نے مادی، فکری اور روحانی، جس سطح پر بھی کوئی کروٹ لی ہے اور حرکت وارتقاء کی طویل راہوں پر جتنے گام بھی چلی ہے، یہ سب نتیجہ ہے ان لامتناہی حوادث وواقعات کا، جو بظاہر بہت چھوٹے اور بے حقیقت محسوس ہوتے ہیں یا بہت بھیانک اور مضرت رساں نظر آتے ہیں،

لیکن ان کا رُونما ہونا ارتقائے تمدن اور پرورشِ حیات کے لیے ناگزیر تھا--- ان کے بغیر انسانیت ایک قدم بھی شاہراہِ حیات پر آگے نہ بڑھ سکتی اور تہذیب و تمدن کے جواہر کبھی نشو و نما نہ پا سکتے--- آدم علیہ السلام کے جنت سے اتر کر زمین پر آنے سے لے کر نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشوں، عاد و ثمود اور قوم فرعون کی تباہی، حضرت یوسف علیہ السلام کے دل دوز واقعات، سیکڑوں انبیاءِ بنی اسرائیل کے ناحق قتل، جنگوں، قحطوں، وباؤں، زلزلوں کی تباہ کاریوں، یونانی فکر و دانش کے فروغ، مصر و بابل اور ہند و ایران کی تہذیبوں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہود کے مظالم اور ان کے رفعِ آسمانی سے ہوتے ہوئے، حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوتِ حق کی راہ میں پیش آنے والے مختلف واقعات، عہدِ صدیقی میں اُبھرنے والے فتنوں، خلفائے ثلاثہ کی مظلومانہ شہادت اور ریگزارِ فرات میں بہتر (۷۲) حسینی جانوں کی قربانی تک، بساطِ عالم پر رُونما ہونے والے بے شمار حوادث و واقعات، سب قدرتِ الٰہی کی پوشیدہ حکمتوں پر مبنی نظامِ تکوین کی مختلف لیکن مربوط و مسلسل کڑیاں ہیں اور ان میں سے ہر واقعہ معنوی طور پر خدائے قدوس کی مشیت، اِذن، قدرت اور عظیم حکمت کا مظہر ہے---

کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ بیت

انسانی زندگی کے ہر عمل اور نظامِ فطرت کے ہر واقعہ میں حکمت و مشیتِ الٰہی کی نمود پر تمام اہلِ ایمان کو یقین، اہلِ حق کو بھروسہ اور اہلِ بصیرت کو عرفان نصیب ہوتا ہے، اسی لیے وہ بظاہر ناسازگار واقعات پیش آنے پر بھی صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کا دامن تھامے رہتے ہیں اور اگر کسی وقت مستقبل میں پیش آنے والے حادثات کا پیشگی علم ہو جائے تو بھی ان کو ٹالنے اور ان سے محفوظ رہنے کے لیے رحمتِ الٰہی کو نہیں پکارتے، بلکہ ان سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری کرتے اور صبر و رضا پر قائم رہنے کے لیے رب سے دعا مانگتے ہیں--- اس لیے کہ وہ ان واقعات کی اہمیت، افادیت اور تاثیر و نتائج سے بخوبی آگاہ ہوتے اور انھیں نسلِ انسانی کی اجتماعی فلاح و بہبود کا ضامن سمجھتے ہیں--- یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حادثۂ کربلا کے بارے میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارگاہِ ایزدی سے پیشگی اطلاع دے دی گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا واشگاف اعلان و اظہار فرما دیا تھا، جس سے امہات المومنین، صحابہ کرام اور اہلِ بیت اطہار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و ازواجہ و اصحابہ و اہل بیتہ اجمعین) سبھی باخبر تھے---

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کسی ایک ہستی نے بھی اس حادثۂ فاجعہ کے رونما نہ ہونے کی دعا نہیں مانگی، بلکہ سب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی استقامت کے لیے دعا کرتے رہے--- چناں چہ نصف درجن سے زیادہ احادیث میں مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ امہات المومنین نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے حادثۂ کربلا کی پیشگی اطلاع نقل کی ہے--- اُمّ المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ، اُمّ المومنین حضرت سیدہ اُمّ سلمہ اور حضرت اُمّ الفضل بنت الحارث (رضی اللہ تعالٰی عنہن) کے علاوہ حضرت سیدنا انس اور حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مختلف روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مجھے جبریل امین علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ عن قریب میری امت میرے بیٹے حسین کو زمین طف (کربلا) میں قتل کر دے گی اور انھوں (جبریل) نے مجھے اس زمین کی تھوڑی سی سرخ مٹی لا کر دی ہے"---[۲]

اُمّ المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کرتی ہیں:

"میں نے مقتلِ حسین کی وہ مٹی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ایک بوتل میں محفوظ کر لی تھی اور ہر روز اس کو دیکھتی تھی"---

حضرت سیدنا انس بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

فَمَنْ شَهِدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَلْیَنْصُرْهُ---[۳]

"تم میں سے جو شخص موجود ہو اسے چاہیے کہ وہ حسین کی مدد کرے"---

چناں چہ روایت ہے کہ حضرت سیدنا انس بن حارث رضی اللہ عنہ کربلا گئے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے--- ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی عام خبر دی تھی اور اکثر صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اس سے بخوبی واقف تھے--- چناں چہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

مَا کُنَّا نَشُکُّ وَ اَھْلُ بَیْتٍ مُتَوَافِرُوْنَ اَنَّ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ یُقْتَلُ بِالطُّفِّ---[۴]

"ہمیں اور اکثر اہلِ بیت کو اس بات میں کوئی شک و شبہہ نہ تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ

زمینِ طف (کربلا) میں شہید ہوں گے"---

اس کا ثبوت خود امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے سفرِ صفین میں مقامِ کربلا سے آپ کے گزر کے دوران حضرت یحییٰ حضرمی، اصبغ بن بعانۃ اور ابو عبد اللہ الضبی کی ان روایت سے ملتا ہے، جن میں کہا گیا ہے:

"حضرت علی ؓ صفین سے واپسی پر فرات کے کنارے ٹھہرے اور فرمایا:
حضور اکرم ﷺ نے خبر دی تھی کہ حسین فرات کے کنارے شہید کیے جائیں گے---
پھر ہم کربلا میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے، یہ ان کی کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون بہنے کا مقام ہے---آلِ محمد ﷺ کے جوان اس کھلے میدان میں قتل کیے جائیں گے، ان پر زمین و آسمان روئیں گے"---[۵]

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ شہیدِ کربلا کے والد محترم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بھی اس جانکاہ حادثہ سے پوری طرح باخبر تھے، لیکن اسے آلِ مصطفیٰ ﷺ کے صبر و رضا کا امتحان اور معرکۂ پیکارِ عشق و جفا سمجھ کر قبول کیے ہوئے ہیں اور اس حادثہ کی تہ میں کارفرما مشیتِ الٰہی اور حکمتِ خداوندی پر کامل یقین رکھتے ہوئے، حیاتِ انسانی پر اس کے دوررس اور انقلاب انگیز اثرات کی نمود چاہتے ہیں:

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلِ بیت

۶۱ھ میں فرات کے کنارے پر برپا ہونے والے اس معرکہ کارزار نے تاریخ کی ارتقائی قوتوں کو کس حد تک متاثر کیا اور قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لیے کیا سبق چھوڑا، انسانی زندگی کے مختلف گوشوں میں کیا نتائج پیدا کیے اور فکر و عمل کی دنیا میں کون کون سی تبدیلیاں ابھاریں؟ ان سوالات کا جواب ہمیں حادثۂ کربلا کے اسباب و عوامل اور حکمت و مشیتِ الٰہی کے آفاقی تناظر میں مذہب، سماج اور تاریخ کا حقیقی اسلامی شعور بخشتا ہے اور یہی وہ شعور ہے، جو شہادتِ حسین ؓ کے بعد سے لے کر آج تک پوری اسلامی تاریخ اور ملتِ اسلامیہ کے مجموعی ایمانی تشخص کی بنیادیں استوار رکھے ہوئے ہے---ذیل میں ہم ملت کے تاریخی ارتقا اور سماجی شعور کے ٹھوس حقائق و شواہد کی روشنی میں سانحۂ کربلا کے چند نتائج و اثرات پر گفتگو کرتے ہیں:

1)......کربلا معیار حق ہے

بظاہر معرکہ کربلا میں حضرت سیدنا امام حسین ؓ اور ان کے بہتر (۷۲) جاں نثار شہید ہو گئے اور یزیدی استبداد کی طاغوتی قوتیں حق پر چھا گئیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شہادتِ حسین ؓ نے ہمیشہ کے لیے فتح وشکست کا معیار اجاگر کر دیا--- دنیا کی کسی لغت میں فتح کے معنی قتل کر دینا اور شکست کا مفہوم قتل ہو جانا نہیں، بلکہ فتح کے معنی مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جانا اور شکست کا مفہوم اپنے مقاصد کی تکمیل میں ناکام ہو جانا ہے--- اب فتح وشکست کے اس تصور کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھنا یہ ہے کہ آیا عاشوراء محرم ۶۱ھ کی شام، یزید اور اس کے طاغوتی ہم نوا اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے یا سیدنا امام حسین اور ان کے حق پرست جاں نثار (ؓ) اپنے بلند نصب العین کی راہ میں سرخرو اور شاد کام ٹھہرے؟

یزید کا مقصد حضرت سیدنا امام حسین ؓ سے اپنے ظالمانہ اقتدار کو تسلیم کرانا اور بیعتِ اطاعت لینا تھا، جس میں وہ ہرگز کامیاب نہ ہو سکا--- یزید اور اس کے حواری سمجھتے تھے کہ وہ عسکری اور عددی اکثریت کے بل بوتے پر نہتے حسین اور ان کے چند فداکاروں (ؓ) کو اپنے سامنے جھکنے اور طاغوتی اقتدار کو ماننے پر مجبور کر دیں گے--- لیکن وہ یہ بھول گئے کہ ایمانی قوت کے مقابلے میں عددی اکثریت چنداں وقعت نہیں رکھتی---

حضرت سیدنا امام حسین ؓ اپنے موقف پر ڈٹ گئے، اپنے آپ کو طاغوتِ وقت کے سپرد نہیں کیا، جبر واستبداد اور مطلق العنانی کے مقابلے میں جاں بازی وقربانی کی حد تک پیش رفت کی اور بقول کار لائل:

> ''اپنے عمل سے روشن کر دیا کہ جہاں حق وباطل کا مقابلہ ہوتا ہے، وہاں عددی قوت وبرتری کوئی اہمیت نہیں رکھتی--- امام حسین (ؓ) نے خاک وخون کا دریا پاٹ کر سفینۂ حق کو کنارے لگا دیا اور آپ کی یہ کامیابی نسلِ انسانی کے لیے حیرت وتعجب کا باعث ہے'' ---[۶]

سر داد نہ داد ، دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

حضرت سیدنا امام حسین ؓ کا مقصد یزیدی فسق وفجور سے دینِ حق کو محفوظ رکھنا اور اس کے ظلم واستبداد سے امتِ مسلمہ کو بچانا تھا--- اور تاریخ شاہد ہے کہ آپ اس مقصد میں پوری طرح

کامیاب وکامران نکلے--- جبری بیعت کا نظام ہمیشہ کے لیے دم توڑ گیا، پھر کسی حکمران نے آلِ رسول ﷺ سے جبری بیعت کا مطالبہ نہیں کیا--- یزید اپنے انجام کو پہنچ گیا--- شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید تین برس سے بھی کم عرصہ زندہ رہا اور اس کے مرتے ہی اِدھر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت پوری طرح قائم اور مضبوط ہو کر کوفہ، بصرہ وشام تک پھیل گئی--- حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کے لیے یزید کا بھیجا ہوا سالارِ لشکر حصین بن نمیر بذاتِ خود حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شام چل کر تختِ حکومت پر متمکن ہونے کی دعوت دینے لگا اور اُدھر یزید کے بیٹے اور اس کے ولی عہد معاویہ نے نہ صرف یزیدی استبداد کے بل بوتے پر حاصل ہونے والے تختِ سلطنت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا بلکہ اپنے باپ کے برے کردار سے شدید نفرت وبیزاری کا اعلان کیا[۷] اور یوں حسینی عزم وکردار کے آگے سر جھکا دیا:

جابرِ وقت کی بیعت سے کیا، کیا انکار؟

آمریت کو نئی سوچ سے دوچار کیا

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے تائیدِ الٰہی، عزمِ راسخ اور یقینِ محکم کی بدولت:

بیعت کے طلب گار سے بیعت لے لی

حسین! درد کے دریا بہا دیے تو نے

یزید جبر واستبداد سے کام لے کر قوم کی قوتِ احساس اور جرأتِ اظہار کو مٹانا چاہتا تھا اور اپنے خاندانی اقتدار کو تا دیر قائم رکھنے کا خواہاں تھا، اس لیے وہ کسی ایک بھی آدمی کو اپنی بیعت کے حلقے سے باہر نہیں دیکھ سکتا تھا--- اس کے برعکس حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں عام بیداری، قوتِ احساس اور جرأتِ اظہار پیدا کی جائے--- اس مقصد کے لیے آپ نے اقتدار کا مقابلہ بلند کرداری سے، کثرت کا مقابلہ قلت سے اور ظلم و بربریت کا مقابلہ صبر واستقلال سے کیا--- نتیجۃً اپنے مقصد میں پوری طرح بامراد رہے اور یزید بری طرح ناکام ہو گیا--- چناں چہ کجا یہ کہ پورے عالم اسلام میں صرف پانچ، چھ آدمی برسرِ عام یزید کی مخالفت کر رہے تھے، باقی لوگوں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی اور کہاں یہ کہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ نے پورے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے یزیدی اقتدار کو بالکل مٹا کر رکھ دیا---

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے چلے، تو لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی پوری اسلامی سلطنت میں صرف چند افراد یزیدی حکومت سے ٹکرانے کے لیے تیار تھے اور جب اہلِ بیت اطہار

کا تاراج کاروان حسینی شہادت کا پیغام لیے مدینہ منورہ لوٹا تو پورا حجاز ایک دم یزیدی بیعت واقتدار کی بیڑیوں سے آزاد ہو گیا---اہلِ مدینہ بے سروسامانی کے عالم میں نہتے ہی ظلم واستبداد سے ٹکرا گئے، اہلِ مکہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر سامنے کھڑے ہو گئے اور یزید دوبارہ حجاز پر مکمل غلبہ و استیلاء کی حسرت اپنے دل میں لیے اور ماتھے پر ہمیشہ کی ذلت ورسوائی کا داغ سجائے اس دنیا سے چل بسا[۸] فتحِ حسین رضی اللہ عنہ اور شکستِ یزید کا یہ عجیب منظر ہے کہ تنہا ایک ذاتِ حسین رضی اللہ عنہ سے جبراً بیعت لینے کا خواہاں طاغوت، ایک دم پورے حجاز کی بیعت کھو بیٹھا---

وہ جس نے رسم و رہِ عشق کی بنا ڈالی
بنائے قصرِ شہنشاہیت ہلا ڈالی

بدلی عمل کی شکل ، ارادے بدل دیے
اس نے مطالبات کے جادے بدل دیے

کہاں وہ حالت کہ ہر طرف ایک بے حسی کی چادر تنی تھی اور کہاں یہ منظر تھا کہ ہر ایک سینے میں درد کا اِک دریا امنڈ آیا ہے:

حسین! درد کے دریا بہا دیے تو نے
شہیدِ جور! کلیجے ہلا دیے تو نے
ہر ایک ذرّۂ بے حس کو اِک تڑپ دے دی
دماغ وضع کیے ، دل بنا دیے تو نے

زندگی کے ہر افق پر چھا گئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ

میدانِ کربلا میں وقتی طور پر ظلم وجبر نے آلِ رسول ﷺ کا بے دریغ خون بہایا اور بظاہر اس پر شاداں وفرحاں لوٹا---لیکن ظلم واستبداد کی یہ وقتی مسرت بہت جلد ہمیشہ کی ذلت ورسوائی اور ندامت وشرم ساری میں ڈھل گئی---یزید اپنے سامنے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سرانور دیکھ کر پہلے تو فتح کے نشہ میں گستاخیاں کرنے لگا، مگر پھر دائمی ذلت ورسوائی اور بدنامی کے خوف سے سہم گیا اور ابن زیاد پر لعنت بھیج کر کہنے لگا:

"اس نے مجھے ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کی نگاہوں میں رسوا کر دیا"---[۹]

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ کر کوفہ بلانے اور موقع پر بے وفائی کرنے والے اہلِ کوفہ شدید ندامت سے دوچار ہوئے اور سلیمان بن صرد خزاعی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اپنے عمل سے توبہ کا

ثبوت فراہم کرنے کے لیے نکل پڑے اور ''تَـوّابِیْـن'' کہلائے[۱۰] یہ ندامت وشرم ساری کے باطنی احساس کا ایک مظہر تھا--- الغرض ہم دیکھتے ہیں کہ حسینیت، فتح کربلا پر ہمیشہ فخر ومباہات سے کام لیتی رہی اور شکست خوردہ یزیدیت آج تک سربگریباں ہے کہ یزید کا سہارا تیغ وشمشیر پہ تھا اور حسین رضی اللہ عنہ کا اعتماد خونِ نبوت پر:

یزید تیغوں کے حلقے میں ہو تو لب کھولے
شہید خون کے لہجے میں بھی کلام کریں

دشتِ کربلا میں بہنے والے حسینی خون نے تاریخ کے لامتناہی اُفق پر تا قیامت یزید کے نام کو نفرت وحقارت اور ذلت ورسوائی کی علامت بنا دیا:

یزید نام سے نفرت ہے اہلِ عالم کو

اس کے برعکس حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ باطل کے مقابلے میں اپنے لہو کا نذرانہ دے کر حق کی عظمتوں کا عنوان قرار پائے اور رہتی دنیا تک صفحاتِ تاریخ میں امر ہو گئے، زمان ومکان کی لامتناہی وسعتوں پر چھا گئے، آپ کا نام اہلِ ایمان کے دلوں کی دھڑکن، نظر کی آبرو اور روح کا قرار بن گیا:

بس ایک بات، جدھر سے گزر گئے شبیر
نظر میں چڑھ گئے، دل میں اتر گئے شبیر

ہر بوند سے لہو کی، اِک انقلاب پھوٹا

یزید اور اس کی طاغوتی قوتیں کرۂ ارض پہ اپنی بقا کا عرصہ طویل اور اقتدار کی گرفت مضبوط کرنے کے لیے سبطِ رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا خون بہانے پر اتر آئیں اور بظاہر میدانِ کربلا میں وقتی طور پر غالب آ گئیں، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ یزیدی استبداد کا یہ عارضی غلبہ اس کی دائمی ذلت اور اموی اقتدار کی موت کا پیش خیمہ بن گیا--- یزید کی سلطنت لرز گئی، اس کے اعصاب تباہ ہو گئے، اس نے مجنونانہ حرکتیں کیں، مدینہ منورہ کے انصار کی جانیں اور عفت مآب خواتین کی عصمت یزیدی بہیمیت کی نذر ہو گئی[۱۱] ساڑھے تین سالہ دورِ حکومت کے پہلے برس شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ رونما ہوا، دوسرے برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ کو تاراج کیا، تیسرے برس خدا کے گھر کعبہ شریف پر آگ برسائی اور چوتھے برس یزید خود موت کی وادی میں ڈوب گیا[۱۲] تمام عالم اسلام ایک دم جاگ اٹھا، نفرت اور حقارت کی لہر یزید کو بہا کر لے گئی، فرعونیت خونِ حسین رضی اللہ عنہ کے پیدا کردہ انقلابی طوفان میں سرتاپا غرق ہو گئی---

قدرت کے صاعقۂ انتقام کی کڑک سے کوئی بھی دشمنِ حسین بچ نہ سکا --- مختار بن ابی عبید ثقفی کے روپ میں قہرِ خداوندی قاتلانِ حسین پر اس طور نازل ہوا کہ تاریخ میں اجتماعی قصاص و انتقام کا اس سے زیادہ فوری، شدید اور بڑا واقعہ اور کوئی نہیں ملتا --- ابن زیاد، عمرو بن سعد، شمر، خولی، حرملہ، تمام بڑے بڑے طاغوت تہ تیغ کر دیے گئے --- کوفہ کی گلیوں، بازاروں اور محلوں میں موت قاتلانِ حسین کا سائے کی طرح تعاقب کرنے لگی --- ظلم کی تلوار ٹوٹ گئی --- ظالم اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے، غضبِ الٰہی کی شدید گرفت نے قتلِ حسین میں شریک کسی ایک بھی متنفس کو نہیں چھوڑا[۱۳] حادثۂ کربلا کے آٹھ برس کے اندر اندر کرۂ ارض کو تمام منحوس کوفیوں اور شامیوں کے ناپاک وجود سے بالکل پاک کر دیا:

دیدی کہ خونِ ناحقِ پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد، کہ شب را سحر کند

پھر اس انتقام کی گرفت یہیں تک نہیں رہی، بلکہ اس نے پورے اموی اقتدار کو اپنے آہنی پنجوں میں دبوچ لیا --- خونِ حسین رضی اللہ عنہ کے ایک ایک قطرے سے انقلاب و تغیر کے وہ سیلاب ہائے آتشیں ابھرے، جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی، نہ حجاج کی بے اماں خون خواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست --- وہ بھڑکتے، بڑھتے اور پھیلتے ہی رہے، تا آں کہ اموی اقتدار کا آخری وقت آ گیا اور جو کچھ ۶۱ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا، وہ سب کچھ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ پورے عالم اسلام میں ہوا --- جو صاحبانِ تاج و تخت تھے، وہ خاک و خون میں تڑپے، ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال ہوئیں --- فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور:

﴿وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴾ --- [۱۴]

کا پورا پورا ظہور ہوا:

یہ ساری کائنات رنگ تابش
حسین ابن علی کا خوں بہا ہے

اس نے انسان کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا

یزید اور اس کی طاغوتی قوتیں طاقت کو حق سمجھتی تھیں، ان کا نظریہ تھا کہ جس کے پاس اقتدار

کی قوت، عسکری طاقت، افراد کی کثرت اور مال و دولت کی بہتات ہو، وہی حق پر ہے--- حضرت سیدنا امام حسین ﷺ کا نعرہ تھا کہ طاقت حق نہیں، بلکہ حق میں طاقت ہے--- یہ اصول منوانے کی خاطر آپ اپنے عزیزوں اور مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ اٹھے اور باطل کے جلال و جبروت سے ٹکرا گئے--- تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ فتح و نصرت نے امام عالی مقام ﷺ کے قدم چومے اور شکستِ دائمی، یزید اور اس کی طاغوتی قوتوں کا مقدر بن گئی [۱۵] امام ابن کثیر نے لکھا ہے:

وَ قَدْ اَخْطَأَ یَزِیْدُ خَطَاءً فَاحِشًا...... وَ قَدْ اَرَادَ تَوْطِیْدَ سُلْطَانِهٖ وَ مُلْکِهٖ وَ دَوَامَ اَیَّامِهٖ مِنْ غَیْرِ مُنَازِعٍ فَعَاقَبَهُ اللّٰهُ بِنَقِیْضِ قَصْدِهٖ وَ حَالَ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهِیْهِ---

"یزید نے (حرمِ مدینہ میں قتل و غارت کا حکم دے کر) بہت بڑی فحش غلطی کی--- وہ چاہتا تھا کہ اس کی سلطنت و اقتدار کی جڑیں مضبوط اور اس کے ایامِ حکمرانی کو بلا نزاع دوام حاصل ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلافِ مراد اس کو سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان آڑے آگیا (اور یوں اس کی کمر توڑ دی)"---

یوں تاریخ نے دیکھا کہ حضرت سیدنا امام عالی مقام ﷺ نے یزیدی تلوار کو اپنے خون کے آگے جھکا کر یہ خیال ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باطل قرار دے دیا کہ بس طاقت ہی سب کچھ ہے اور بہ تائیدِ ایزدی اہلِ عالم سے منوالیا کہ حق ہی طاقت کا سرچشمہ ہے:

اس نے انسان کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا
دولت و کثرت و طاقت کا صنم توڑ دیا

حق کی طاقت کا یہی وہ معیار ہے، جو آج تک یزیدیت اور حسینیت کے مابین وجہِ امتیاز چلا آرہا ہے اور جب تک نسلِ انسانی کے ذہن میں یہ معیار قائم رہے گا، کوئی طاغوتِ وقت حق کی لازوال قوت کو چیلنج نہیں کر سکے گا:

حق پہ شب خوں مار سکتے ہی نہیں باطل پرست
ذہنِ انسانی میں جب تک کربلا بیدار ہے

ہر قوم پکارے گی، ہمارے ہیں حسین ﷺ

حادثۂ کربلا کوئی افسانوی واقعہ یا دیو مالائی کہانی نہیں، جس کا بنی آدم کے عمل اور زندگی سے

کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ یہ ایک زندہ وتابندہ واقعہ ہے، جو حیاتِ انسانی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے--- خون کے رشتے اور ان کی چاہت، دوستوں کی وفا، دشمنوں کی بربریت، خون اور آنسوؤں کی لرزش، بھوک، پیاس، خوف اور جان کی آزمائش، فہم سلیم، جذبہ واحساس اور صبر وثبات، غرضیکہ جو کچھ زندگی کے دامن میں ہے، سب حادثۂ کربلا میں سمٹ آیا ہے--- حضرت سیدنا امام حسین ﷛ نے معرکۂ کربلا میں سرخرو ہوکر حیاتِ انسانی کا واضح فلسفہ، تصور اور بلند اقدار اجاگر کیں--- عمل کی خارزاروں میں نسلِ انسانی کے لیے رہتی دنیا تک ایک تابناک نمونہ چھوڑا--- حق وباطل کی پیکار میں سچائی کے راستے پر چلنے کے لیے قدم قدم راہنمائی کا سامان مہیا کیا، رشتوں کا تقدس، اعتماد کی قوت اور وفا کا انمول رنگ اجاگر کیا اور صفحۂ دہر پہ انسانی کردار کی عظمتوں کے وہ لازوال نقوش مرتسم کیے، جن کی تابانی کبھی گہنا نہ سکے گی--- مشہور جرمن مؤرخ موسیو ماربین شہیدِ کربلا ﷛ کی عظمتوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”آپ نے اپنی شہادت سے اسلام کو روحانیت ونورانیت اور ایک تازہ رونق و درخشندگی عطا کی اور مسلمانوں کو اسلام کی معنویت سے جوڑ دیا، یوں حسین کی قربانی تاریخِ اسلام میں عظیم انقلابات کا سرچشمہ بن گئی اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے“---

سچ کہا کسی شاعر نے:

قصرِ کردار کی تعمیر کو معمار ملا
ذہن کو راہ ملی عقل کو معیار ملا

حضرت سیدنا امامِ حسین ﷛ کی سیرت اسوۂ رسول ﷺ کا آئینہ ہے--- یہ تاریخِ اسلام کی پھیلتی ہوئی لہروں میں زندگی کے اجالے بھر رہا ہے، یہ روشنی کا بلند مینار ہے، جو فتنہ وفساد کے اندھیروں کو مٹا رہا ہے--- حسین ﷛ کی عظمتِ کردار کا ستارہ آج بھی کربلا کے افق سے اپنی تابندہ کرنیں ہر سو بکھیر رہا ہے اور نہ صرف اہلِ ایمان بلکہ پوری نوعِ بشر کے لیے حریت وانقلاب کی راہیں جگمگا رہا ہے--- مشہور امریکی مؤرخ واشنگٹن اِرونگ کے الفاظ میں:

”کربلا کی خشک سرزمین کے آفتابِ سوزاں کی دھوپ اور عربستان کی تپتی ہوئی ریگ کے اُوپر حسین (﷛) کی لافانی روح آج بھی قائم ہے“---

سچ یہ ہے کہ حضرت سیدنا امام حسین ﷛ صرف مسلمانوں کے ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا کے رہنما

ہیں اور دنیا بالآخر یہ مان کر رہے گی کہ:

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ، ہمارے ہیں حسین

حوالہ جات

۱......الانعام:۵۹

۲......ان روایات کے لیے دیکھیے:

المستدرک ،جلد۳،صفحہ۱۷۷/تھذیب التھذیب ،جلد۲،صفحہ۳۴۷/الخصائص الکبریٰ،جلد۲،صفحہ۱۲۵/دلائل النبوۃ ،صفحہ۴۸۶/البدایۃ و النھایۃ،جلد۸،صفحہ۱۹۹/ الصواعق المحرقہ،صفحہ۱۹۵

۳......دلائل النبوۃ،صفحہ۴۸۶/البدایۃ و النھایۃ،جلد۸،صفحہ۱۹۹/الخصائص الکبریٰ،جلد۲،صفحہ۱۲۵/سر الشھادتین،صفحہ۲۹

۴......المستدرک،جلد۳،صفحہ۱۷۹/الخصائص الکبریٰ،جلد۲،صفحہ۱۲۶/ سر الشھادتین،صفحہ۳۰

۵......دلائل النبوۃ،صفحہ۵۰۹/تھذیب التھذیب ،جلد۲،صفحہ۳۴۷/الخصائص الکبریٰ،جلد۲،صفحہ۱۲۶/البدایۃ و النھایۃ،جلد۸،صفحہ۱۹۹

۶......اردو دائرہ معارف اسلامیہ،بذیلِ مادہ ’’امام حسین ؓ‘‘

۷......الصواعق المحرقہ،صفحہ۱۳۴

۸......تاریخ الطبری،جلد۵،صفحہ۴۸۳

۹......الاخبار الطوال:تذکرۂ امام حسین/تاریخ الطبری،جلد۵،صفحہ۴۹۰

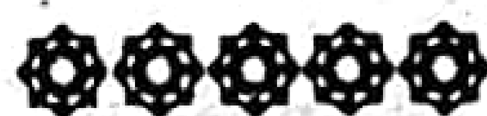
۱۰......الخیاری:الامام الحسین،صفحہ۲۰۲

۱۱......مدارج النبوۃ،جلد۱،صفحہ۲۰۶/سنن دارمی،باب ما اکرم اللہ نبیہ بعد وفاتہ/فتح الباری،جلد۱۳،صفحہ۶۰

۱۲......نووی:شرح صحیح مسلم،جلد۱۳،صفحہ۶۰

۱۳......سیر اعلام النبلاء،ذکر امام حسین/الخیاری:الامام الحسین،صفحہ۲۰۳

۱۴......الشعراء:۲۲۷



سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

مفتی جلال الدین احمد امجدی

سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارکہ ۵ رشعبان ۴ ھ کو مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ سرکار اقدس ﷺ نے آپ کے کان میں اذان دی، منہ میں لعاب دہن ڈالا اور آپ کے لیے دعا فرمائی، پھر ساتویں دن آپ کا نام ''حسین'' رکھا اور عقیقہ کیا۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب ''سبطِ رسول'' اور ''ریحانۃ الرسول'' ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''رسول کائنات ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبر اور شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا''---[صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸]

اسی لیے حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو شبر اور شبیر کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ سریانی زبان میں شبر اور شبیر اور عربی زبان میں حسن اور حسین دونوں کے معنی ایک ہیں اور حدیث شریف میں ہے:

اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ اِسْمَانِ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ---

''حسن اور حسین جنتی ناموں میں سے دو نام ہیں''---

عرب کے زمانۂ جاہلیت میں یہ دونوں نام نہیں تھے۔[صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸]

ابن الاعرابی حضرت مفضل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام مخفی رکھے، یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔[الشرف المؤبد، صفحہ ۷۰]

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی حضور اقدس ﷺ کی چچی، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

یارسول اللہ! آج میں نے ایک ایسا خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں ڈر گئی ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: تو نے کیا دیکھا ہے؟

انھوں نے عرض کیا، وہ بہت سخت ہے، جس کے بیان کی میں اپنے اندر جرأت نہیں پاتی ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: بیان کرو۔

انھوں نے عرض کیا، میں نے یہ دیکھا ہے کہ حضور کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا ہے۔

ارشاد فرمایا، تمہارا خواب بہت اچھا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ فاطمہ زہراء (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے بیٹا پیدا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور حضرت ام الفضل کی گود میں دیے گئے۔[مشکوٰۃ، صفحہ ۵۷۲]

فضائل

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ پہلے آپ کے مناقب والی روایتیں پیش کی جاتی ہیں، پھر جو حدیثیں کہ دونوں شہزادوں کے فضائل کو شامل ہیں، پیش کی جائیں گی۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے، حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ---

"حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں"---

یعنی حسین کو حضور سے اور حضور کو حسین سے انتہائی قرب ہے، گویا دونوں ایک ہیں۔ تو حسین کا ذکر حضور کا ذکر ہے، حسین سے دوستی حضور سے دوستی ہے، حسین سے دشمنی حضور سے دشمنی ہے

اور حسین سے لڑائی کرنا حضور سے لڑائی کرنا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ

سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَحَبَّ اللّٰہَ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا---[مشکوٰۃ، صفحہ ۵۷۱]

"جس نے حسین سے محبت کی، اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی"---

اس لیے کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا حضور ﷺ سے محبت کرنا ہے اور حضور ﷺ سے محبت کرنا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہے۔[مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ۵، صفحہ ۶۰۵]

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"جسے پسند ہو کہ کسی جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے تو وہ حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھے"---[نور الابصار، صفحہ ۱۱۴]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا، چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور حضور ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں۔ حضور ﷺ نے ان کا منہ کھول کر بوسہ دیا، پھر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَ اَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ---[نور الابصار، صفحہ ۱۱۴]

"اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما کہ جو اس سے محبت کرے"---

معلوم ہوا کہ حضور آقائے دو عالم ﷺ نے صرف دنیا والوں ہی سے نہیں چاہا کہ وہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کریں بلکہ خدائے تعالیٰ سے بھی عرض کیا کہ تو بھی اس سے محبت فرما، بلکہ یہ بھی عرض کیا کہ حسین سے محبت کرنے والے سے بھی محبت فرما۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ وہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے لعاب دہن کو اس طرح چوستے ہیں، جیسے کہ آدمی کھجور چوستا ہے:

یَمْتَصُّ لُعَابَ الْحُسَیْنِ کَمَا یَمْتَصُّ الرَّجُلُ التَّمْرَۃَ---[نور الابصار، صفحہ ۱۱۴]

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کعبہ شریف کے سایہ میں تشریف فرما تھے، انھوں نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

هٰذَا اَحَبُّ اَهْلِ الْاَرْضِ اِلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ الْيَوْمَ---[الشرف المؤبد،صفحہ ۶۵]

''آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں''---

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے پیدل چل کر پچیس حج کیے، آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے اور کثرت سے نماز، روزہ، حج، صدقہ اور دیگر امور خیر ادا فرماتے تھے۔[برکات آل رسول، صفحہ ۱۴۵]

حضرت علامہ جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے داہنے اور اپنے صاحبزادے حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے بائیں زانو پر بٹھائے ہوئے تھے کہ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ! خدائے تعالیٰ ان دونوں کو آپ کے پاس جمع نہ رہنے دے گا، ان میں سے ایک کو واپس بلالے گا، اب ان دونوں میں سے جسے آپ چاہیں پسند فرمالیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر حسین رخصت ہو جائیں تو ان کی جدائی میں فاطمہ، علی کو تکلیف ہوگی اور میری بھی جان سوزی ہوگی اور اگر ابراہیم وفات پا جائیں تو زیادہ غم مجھی کو ہوگا، اس لیے مجھے اپنا غم پسند ہے۔

اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ وفات پاگئے۔

اس کے بعد جب بھی حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرحبا فرماتے، پھر ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے:

''میں نے حسین پر اپنے بیٹے ابراہیم کو قربان کر دیا ہے''---[شواہد النبوۃ، صفحہ ۳۰۵]

فضائل حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اب وہ روایتیں ملاحظہ فرمائیں جو دونوں صاحبزادوں کے فضائل پر مشتمل ہیں:

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ---[مشکوٰۃ، صفحہ ۵۷۰]

''حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں''---

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَيَّ مِنَ الدُّنْيَا---[مشکوٰۃ، صفحہ ۵۷۰]

''حسن اور حسین دنیا کے میرے دو پھول ہیں''---

حضرت سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں کسی ضرورت سے حضور سرورکائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ باہر تشریف لائے تو کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے، جسے میں نہیں جان سکا۔ جب عرض حاجت سے میں فارغ ہوا تو دریافت کیا، حضور! یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں؟ آپ نے چادر مبارک ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ دونوں پہلوؤں میں حضرت سیدنا حسن اور حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

هٰذَانِ اِبْنَایَ وَ اِبْنَا اِبْنَتِیْ---

''یہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسے ہیں''---

پھر فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَ اَحِبَّ مَنْ یُحِبُّھُمَا---[مشکوٰۃ، صفحہ ۵۷۰]

''اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان کو محبوب رکھ اور جو ان سے محبت کرتا ہے، ان کو بھی محبوب رکھ''---

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ آپ ایک کندھے پر حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے کندھے پر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے، یہاں تک کہ ہمارے قریب تشریف لے آئے اور فرمایا:

مَنْ اَحَبَّھُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ---[الشرف المؤبد، صفحہ ۱۷]

''جس نے ان دونوں سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے دشمنی کی، اس نے مجھ سے دشمنی کی''---

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حسن اور حسین کو لے کر حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، حضور! یہ آپ کے دونوں نواسے ہیں، انھیں کچھ عطا فرمایئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَمَّا حَسَنٌ فَلَهٗ هَیْبَتِیْ وَ سُوْدَدِیْ وَ اَمَّا حُسَیْنٌ فَلَهٗ جُرْأَتِیْ وَ جُوْدِیْ---[الشرف المؤبد، صفحہ ۷۲]

''حسن (رضی اللہ عنہ) کے لیے میری ہیبت وسیادت ہے اور حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے میری جرأت وسخاوت ہے''---

کُشتی

حضرت سیدنا امام جعفر صادق بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کم سنی کے زمانہ میں ایک دوسرے سے کشتی لڑ رہے تھے اور حضور ﷺ بیٹھے یہ کشتی ملاحظہ فرما رہے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ نے فرمایا، حسین کو پکڑلو۔ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ سنا تو انھیں تعجب ہوا اور عرض کیا، ابا جان! آپ بڑے سے فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑلو۔ حضور ﷺ نے فرمایا، دوسری طرف حضرت جبریل امین علیہ السلام حسین کو کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑلو۔ [نورالابصار، صفحہ ۱۱۴]

یزیدی آنکھیں کھول کر دیکھ لیں، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ مقام ہے کہ حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام آکر ان کے درمیان کشتی لڑا رہے ہیں۔

مقابلۂ خوش خطی

حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو تختیاں لکھیں، ہر ایک نے کہا، ہماری تحریر اچھی ہے، تو فیصلے کے لیے اپنے باپ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس لے گئے، آپ بڑے بڑے حیرت انگیز فیصلے فرماتے ہیں مگر یہ فیصلہ نہ فرما سکے، اس لیے کہ کسی صاحبزادے کی دل شکنی منظور نہ تھی۔ فرمایا کہ اپنی ماں کے پاس لے جاؤ، دونوں شہزادے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، اماں جان! آپ فیصلہ فرمادیں کہ ہم میں سے کس نے اچھا لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ نہیں کرسکوں گی، اس معاملہ کو تم لوگ اپنے نانا جان کے پاس لے جاؤ۔ شہزادے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آگئے اور عرض کیا، نانا جان! آپ فیصلہ فرمادیں کہ ہم میں سے کس کی تحریر اچھی ہے؟ ساری دنیا کا فیصلہ فرمانے والے حضور نے سوچا کہ اگر حسن کی تحریر کو اچھی کہوں تو حسین کو ملال ہوگا اور حسین کی تحریر کو عمدہ کہوں تو حسن کو رنج ہوگا اور کسی کا رنجیدہ ہونا انھیں گوارا نہیں تھا، اس لیے آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ جبریل (علیہ السلام) کریں گے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام بحکم رب جلیل نازل ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! اس کا فیصلہ خداوند قدوس عزوجل فرمائے گا، میں اس کے حکم سے ایک سیب لایا ہوں، اس نے فرمایا ہے کہ میں اس جنتی سیب کو تختیوں پر گراؤں، جس تختی پر یہ سیب

گرے گا، فیصلہ ہو جائے گا کہ اس کی تختی کی تحریر اچھی ہے۔ اب دونوں تختیاں اکٹھا رکھی گئیں اور حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام نے اوپر سے ان تختیوں پر سیب گرا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے راستہ ہی میں سیب کٹ کر آدھا ایک تختی پر اور دوسرا آدھا دوسری تختی پر گرا، اس طرح احکم الحاکمین جل جلالہ نے فیصلہ فرما دیا کہ دونوں شہزادوں کی تحریریں اچھی ہیں اور کسی ایک کی تحریر کو اچھی قرار دے کر دوسرے کی دل شکنی کو گوارا نہ فرمایا۔ [نزہۃ المجالس، جلد ۲، صفحہ ۳۹۰]

خداوند قدوس جل جلالہ کی بارگاہ میں حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ مقام ہے مگر افسوس کہ مخالفین کو ان کی عظمت و رفعت نظر نہیں آتی۔

شہادت کی شہرت

سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی آپ کی شہادت کی بھی شہرت عام ہو گئی۔ حضرت سیدنا علی، حضرت سیدہ فاطمہ زہراء اور دیگر صحابہ کبار و اہل بیت کے جاں نثار (رضی اللہ عنہم) سبھی لوگ آپ کے زمانہ شیر خوارگی ہی میں جان گئے کہ یہ فرزند ارجمند ظلم و ستم کے ہاتھوں شہید کیا جائے گا اور ان کا خون نہایت بے دردی کے ساتھ زمین کربلا میں بہایا جائے گا، جیسا کہ ان احادیث کریمہ سے ثابت ہے جو آپ کی شہادت کے بارے میں وارد ہیں۔

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی گود میں دیا، پھر میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے لگاتار آنسو بہ رہے ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا حال ہے؟ فرمایا، میرے پاس جبریل امین علیہ السلام آئے اور انھوں نے یہ خبر پہنچائی کہ:

اِنَّ اُمَّتِیْ سَتَقْتُلُ اِبْنِیْ ھٰذَا---

''میری امت میرے اس فرزند کو شہید کرے گی''---

حضرت ام الفضل فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا اس فرزند کو شہید کر دے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ پھر حضرت جبریل امین علیہ السلام میرے پاس اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے۔ [مشکوٰۃ، صفحہ ۵۷۲]

ابن سعد و طبرانی حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں،

انھوں نے کہا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، جبریل نے مجھے خبر دی:

اِنَّ اِبْنِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بَعْدِیْ بِاَرْضِ الطَّفِّ---

''میرا بیٹا حسین میرے بعد ارضِ طف میں قتل کیا جائے گا''---

طف، قریب کوفہ اس مقام کا نام ہے، جس کو کربلا کہتے ہیں۔

حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی لائے اور مجھ سے کہا کہ یہ حسین کی خواب گاہ (مقتل) کی مٹی ہے [صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸]

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بارش کے فرشتہ نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے خداوند قدوس سے اجازت طلب کی، جب وہ فرشتہ اجازت ملنے پر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو اس وقت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ آئے اور حضور انور ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے، آپ ان کو چومنے اور پیار کرنے لگے۔ فرشتہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ اس نے کہا:

اِنَّ اُمَّتَکَ سَتَقْتُلُهٗ---

''آپ کی امت حسین کو قتل کردے گی''---

اگر آپ چاہیں تو میں ان کی قتل گاہ (کی مٹی) آپ کو دکھادوں؟ پھر وہ فرشتہ سرخ مٹی لایا، جسے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے کپڑے میں لے لیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید کر دیا گیا''---

حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کرلیا، جو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن خون ہوگئی۔ [صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸]

ابن سعد حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جنگ صفین کے موقع پر کربلا سے گزر رہے تھے کہ ٹھہر گئے اور اس زمین کا نام دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا، اس کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی آپ اس قدر روئے کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں ایک روز حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں،

میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا، ابھی میرے پاس جبریل امین علیہ السلام آئے تھے، انھوں نے مجھے خبر دی ہے:

اِنَّ وَلَدِی الْحُسَیْنَ یُقْتَلُ بِشَاطِئِ الْفُرَاتِ بِمَوْضِعٍ یُقَالُ لَہٗ کَرْبَلَاء---[صواعق محرقہ، صفحہ ۱۱۸]

''میرا بیٹا حسین دریائے فرات کے کنارے اس جگہ پر شہید کیا جائے گا، جس کو کربلا کہتے ہیں''---

ابونعیم، اصبغ بن نباتہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ ہم حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبرگاہ سے گزرے تو آپ نے فرمایا، یہ شہیدوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور اس مقام پر ان کے کجاوے رکھے جائیں گے اور یہاں ان کے خون بہائے جائیں گے۔ آل محمد کے بہت سے جوان اس میدان میں شہید کیے جائیں گے اور زمین و آسمان ان پر روئیں گے۔ [خصائص کبریٰ، جلد۲، صفحہ ۱۲۶]

ان احادیث کریمہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی بار بار اطلاع دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا بارہا ذکر فرمایا اور یہ شہادت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے عہد طفلی ہی میں خوب مشہور ہو چکی تھی اور سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کے شہید ہونے کی جگہ کربلا ہے، بلکہ اس کے چپہ چپہ کو پہچانتے تھے اور انھیں خوب معلوم تھا کہ شہدائے کربلا کے اونٹ کہاں باندھے جائیں گے، ان کا سامان کہاں رکھا جائے گا اور ان کے خون کہاں بہیں گے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ہاں وہ نبی کہ خداوند قدوس جن کی رضا جوئی فرماتا ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی---

جن کا حکم بحر و بر میں نافذ ہے، جنھیں شجر و حجر سلام کرتے ہیں، چاند جن کے اشاروں پر چلا کرتا ہے، جن کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا ہے، بلکہ بحکم الٰہی کونین کے ذرہ ذرہ پر جن کی حکومت ہے، وہ نبی پیارے نواسے کے شہید ہونے کی خبر پا کر آنکھوں سے آنسو تو بہاتے ہیں مگر نواسے کو بچانے کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا نہیں فرماتے اور نہ حضرت سیدنا علی و حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! حسین کی خبر شہادت نے تو دل و جگر

پارہ پارہ کر دیا، آپ دعا فرمائیں کہ خدائے عزوجل حسین کو اس حادثہ سے محفوظ رکھے اور اہل بیت، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سب لوگ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر سنتے ہیں مگر اللہ کے محبوب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کوئی دعا کی درخواست پیش نہیں کرتا، جب کہ آپ کی دعا کا حال یہ ہے کہ:

اجابت کا سہرا ، عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے نکلی دعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لیے دعا نہیں فرمائی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اس کے بارے میں دعا کرنے کی درخواست پیش کی، صرف اس لیے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا امتحان ہو، ان پر تکالیف ومصائب کے پہاڑ ٹوٹیں اور وہ امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کے پیارے ہوں کہ اب نبی کوئی ہو نہیں سکتا تو نواسہ رسول کا درجہ اسی طرح بلند سے بلند تر ہو جائے اور رضائے الٰہی حاصل ہونے کے ساتھ دنیا وآخرت میں ان کی عظمت ورفعت کا بول بالا ہو جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

بعض گستاخ اعتراض کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے تو دوسرے کو کسی مصیبت سے کیا بچا سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے محبوب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے رضی اللہ عنہ کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی، اس لیے کہ آپ نے ان کے لیے قتل سے محفوظ رہنے کی دعا ہی نہیں کی اور جب آپ نے ان کو شہید ہونے سے بچانے کی کوشش ہی نہیں فرمائی تو پھر یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ وہ اپنے نواسے کو قتل سے نہیں بچا سکے۔ جیسے کہ ہمارا کوئی آدمی دریا میں ڈوب رہا ہو اور ہمارے پاس ڈوبنے سے بچانے کے لیے کشتی وغیرہ تمام سامان مہیا ہوں مگر ہم بچانے کی کوشش نہ کریں تو یہ کہنا غلط ہے کہ ہم بچا نہ سکے، ہاں اگر ہم بچانے کی کوشش کرتے اور نہ بچا پاتے تو البتہ یہ کہنا صحیح ہوتا کہ ہم نہیں بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے محبوب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے کو بچانے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کو بچانے کی کوشش نہ فرمائی، لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ ان کو نہیں بچا سکے۔

خدائے تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔

بعض گستاخ یہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور صحابی ہیں، جن کے درجہ کو بڑے سے بڑا ولی، غوث وقطب نہیں پہنچ سکتا، جب وہ اپنی اور اپنے عزیز واقارب کی جان نہیں بچا سکے تو دوسرا کوئی غوث وقطب کسی کی کیا مدد کرسکتا ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سید الشہداء حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ میدان کربلا میں اپنی جان بچانے نہیں گئے تھے بلکہ اپنی جان دے کر اسلام بچانے گئے تھے۔

جان بچانے کا راستہ تو آپ کے لیے ہمیشہ کھلا ہوا تھا، اس لیے کہ جان بچانے کے لیے جب حرام قطعی کا کھانا، پینا اور جھوٹ بولنا جائز ہو جاتا ہے، تو آپ جان بچانے کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے یزید کی جھوٹی بیعت کر لیتے اور جب دشمن کی گرفت سے آزاد ہو جاتے تو انکار کر دیتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو جان بچانا نہیں تھا بلکہ جان دے کر اسلام کو بچانا تھا۔

رہی عزیز واقارب کی جان بچانے کی بات تو آپ کے جو عزیز واقارب میدان کربلا میں شہید ہوئے، ان کی دنیوی زندگی بس اتنی ہی تھی اور جس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ---[پارہ:۱۱، رکوع:۱۰]

"جب ان کو موت آئے گی تو ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوں گے"---

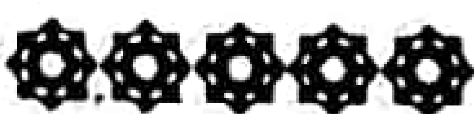
اور ارشاد فرمایا:

وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا---[پارہ:۲۸، رکوع:۱۴]

"اللہ تعالیٰ کسی جان کی موت کو ہرگز موخر نہیں فرمائے گا، جب کہ اس کا وقت آ جائے گا"---

اگر یہ معقول جواب اعتراض کرنے والوں کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ دن دور نہیں جب کہ وہ یہ بھی کہیں گے کہ انبیائے کرام کا قتل کیا جانا قرآن مجید سے ثابت ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب انبیاء کو قتل ہونے سے نہیں بچا سکا تو پھر کسی دوسرے کی کیا مدد کرسکتا ہے۔

العیاذ باللہ تعالیٰ



اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہ

مصطفیٰ کا لاڈلا پیارا حسین ابنِ علی
حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کا بیٹا حسین ابنِ علی

سروِ رعنا، عترتِ سلطانِ دیں کے باغ کا
نور چشم فاطمہ زہرا حسین ابنِ علی

مصطفیٰ سجدے میں اور ان کا نواسہ پشت پر
کیا نگاہِ مصطفیٰ میں تھا حسین ابنِ علی

مظہرِ اجلالِ حیدر، حق گزارِ ذوالفقار
حاصلِ ملت کا رکھوالا حسین ابنِ علی

ایک ویرانے کو اس نے کر دیا رشکِ چمن
ابرِ گل بارِ سرِ صحرا حسین ابنِ علی

خون سے اس نے کھلائے عظمتِ حق کے گلاب
ریگ زاروں میں چمن آرا حسین ابنِ علی

اپنے خوں سے کھینچ لی اس نے ملوکیت کی جان
کیا عجوبہ کارِ دوراں تھا حسین ابنِ علی

جان دے دی، دین کی حرمت پہ آنچ آنے نہ دی
اک نرالا معرکہ آرا حسین ابنِ علی

آمریت کا تبختر، العیاذ و الامان
یہ تبختر توڑنے والا حسین ابنِ علی

جان بچتی تھی مگر اسلام بچ سکتا نہ تھا
مصلحت سے کام اگر لیتا حسین ابنِ علی

کوئی منزل اور تھی اس کی نظر کے سامنے
کثرتِ اعداء سے بے پروا حسین ابنِ علی

منفرد جی داری و جاں بازی و ایثار میں
عظمتِ کردار میں یکتا حسین ابنِ علی

راہِ حق میں سر کٹا کر بن گیا سردارِ خلق
ڈوب کر کچھ اور بھی ابھرا حسین ابنِ علی

فلسفہ اس نے بدل ڈالا حیات و موت کا
مرگ فرسا، زندگی افزا حسین ابنِ علی

درس گاہِ عزم و ہمت آج بھی ہے کربلا
اہلِ حق کا حوصلہ افزا حسین ابنِ علی

حق نوائی صدق کیشی کا نمونہ ہے عظیم
فاطمہ زہرا کی زینب یا حسین ابنِ علی

شاہِ دوش و والیٔ امروز فرزندِ بتول
بالیقیں ہے خسروِ فردا حسین ابنِ علی

کل وہ تنہا تھا اگر کوئی خدائی راز تھا
آج ہر سو انجمن آرا حسین ابنِ علی

دل فگار ہو کر بہائے ہم نے تیری یاد میں
آنسوؤں کے خوں فشاں دریا حسین ابنِ علی

اس سبب سے بھی دلِ طارق میں ہے تیری وِلا
تیرا بابا ہے مرا مولیٰ حسین ابنِ علی



والہ عترتِ رسولِ بطحا
۱۴۲۸ھ

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

یزید پلید

مفتی جلال الدین احمد امجدی

یزید حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا، جس کی کنیت ابو خالد ہے، امیہ خاندان کا وہ بدبخت انسان ہے، جس کی پیشانی پر نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا سیاہ داغ ہے، جس پر ہر زمانے میں لوگ ملامت کرتے رہے اور رہتی دنیا تک ایسے ہی ملامت کرتے رہیں گے۔

یہ بد باطن اور ننگِ خاندان ۲۵ھ میں پیدا ہوا، اس کی ماں کا نام میسون بنت نجدل کلبی ہے۔ یزید بہت موٹا، بدنما، بدخلق، فاسق و فاجر، شرابی، بدکار، ظالم اور بے ادب و گستاخ تھا۔ اس کی بدکاریاں اور بے ہودگیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ کے صاحبزادے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

وَ اللّٰہِ مَا خَرَجْنَا عَلٰی یَزِیْدَ حَتّٰی خِفْنَا اَنْ نُّرْمٰی بِالْحِجَارَۃِ مِنَ السَّمَاءِ......الخ---

"یزید پر ہم نے اس وقت حملہ کی تیاری کی، جب ہم لوگوں کو اندیشہ ہو گیا کہ اس کی بدکاریوں کے سبب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی، اس لیے کہ فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ماں، بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کر رہے تھے، شرابیں پی جا رہی تھیں اور دیگر منہیاتِ شرعیہ کا علانیہ رواج ہو گیا تھا اور لوگوں نے نماز ترک کر دی تھی"۔---[تاریخ الخلفا، صفحہ ۱۴۲]

یزید نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی بے حرمتی کرائی۔ ایسے شخص کی حکومت گرگ کی چوپانی سے زیادہ خطرناک تھی۔ اربابِ فراست اور اصحابِ اسرار اس وقت سے ڈرتے تھے جب کہ عنانِ سلطنت اس شقی کے ہاتھ میں آئی۔ اسی لیے ۵۹ھ میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ رَأْسِ السِّتِّیۡنَ وَ اِمَارَۃِ الصِّبۡیَانِ---

''اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، ۶۰ھ کے آغاز اور لڑکوں کی حکومت سے''---

اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو حاملِ اسرار تھے، انھیں معلوم تھا کہ ۶۰ھ کا آغاز لڑکوں کی حکومت اور فتنوں کا وقت ہے۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور انھوں نے ۵۹ھ میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی۔ [سوانحِ کربلا، صفحہ ۸۱]

یزید اور احادیث کریمہ و اقوالِ ائمہ

رویانی اپنی مسند میں صحابی رسول حضرت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

اَوَّلُ مَنۡ یُّبَدِّلُ سُنَّتِیۡ رَجُلٌ مِنۡ بَنِیۡ اُمَیَّۃَ یُقَالُ لَہٗ یَزِیۡدُ---

[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۴۲]

''میری سنت کا پہلا بدلنے والا ایک شخص بنی امیہ کا ہوگا، جس کا نام یزید ہوگا''---

اور ابو یعلی اپنی مسند میں (بسند ضعیف) حضرت سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''میری امت ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ پہلا رخنہ انداز بنی اُمیہ کا ایک شخص ہوگا، جس کا نام یزید ہوگا''---[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۴۲]

اور علامہ صبان تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور تجھے ان کا فرمان کافی ہے۔ ان کا تقویٰ اور علم اس امر کا متقاضی ہے کہ انھوں نے یہ بات اس لیے کہی ہوگی کہ ان کے نزدیک ایسے امورِ صریحہ کا یزید سے صادر ہونا ثابت ہوگا جو موجبِ کفر ہیں۔ اس معاملہ میں ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے، مثلاً ابن جوزی وغیرہ۔ رہا اس کا فسق تو اس پر اتفاق ہے۔ بعض علماء نے خاص اس کے نام سے لعنت کو جائز قرار دیا ہے''---[برکاتِ آلِ رسول، صفحہ ۱۵۵]

اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اہلِ بیتِ نبوت کی توہین و تذلیل پر یزید کی رضا و خوش نودی تواتر سے ثابت ہے، لہٰذا ہم اس کی ذات کے بارے میں توقف نہیں کریں گے (اسے برا بھلا کہیں گے)، البتہ اس کے ایمان کے بارے میں توقف کریں گے (نہ اسے کافر کہیں گے اور نہ مومن)"---[شرح عقائد نسفی، صفحہ ۱۱۷]

محدث ابنِ جوزی سے پوچھا گیا:

"یزید کو امام حسین رضی اللہ عنہ کا شہید کرنے والا کہنا کس طرح صحیح ہے، جب کہ وہ کربلا میں شہادت کے واقعہ کے وقت ملکِ شام میں تھا؟"---

تو انھوں نے ایک شعر پڑھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:

"تیر عراق میں تھا، جب کہ تیر مارنے والا ذی سلم میں تھا، اے تیر مارنے والے! تیرا نشانہ کس غضب کا تھا"---[الشرف المؤبد، صفحہ ۶۹]

نوفل بن ابو الفرات کہتے ہیں:

"میں ایک روز اُموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ یزید کا کچھ ذکر آ گیا، تو ایک شخص نے یزید کو "امیر المؤمنین یزید بن معاویہ" کہا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ تو اسے امیر المؤمنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیر المؤمنین کہنے والے اس شخص کو ۲۰ کوڑے لگائے جائیں"---

[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۱۴۲]

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اُمیہ خاندان کے ایک فرد ہیں، یعنی مروان کے پوتے اور خلیفہ عبد الملک بن مروان کے داماد ہیں، جن کے فضل و کمال اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بارے میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ ان کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے شمار کیا جاتا ہے، انھوں نے اس شخص کو کہ جس نے یزید بد بخت کو امیر المؤمنین کہا، کوڑے لگوائے اور سزا دی۔

اس واقعہ سے وہ لوگ جو آج کل یزید کی حمایت کرتے ہیں اور اس کو امیر المؤمنین کہتے ہیں، سبق حاصل کریں اور جان لیں کہ وہ یقیناً سزا کے مستحق ہیں۔ اگر آج بھی کوئی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جیسا ہوتا تو انھیں کوڑے ضرور لگواتا۔

اور اعلیٰ حضرت، پیشوائے اہلِ سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں:

''یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہلِ سنت فاسق وفاجر وجری علی الکبائر تھا۔اس قدر پر ائمۂ اہلِ سنت کا اطباق واتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اوران کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیصِ نام اس پرلعن کرتے ہیں اورآیتِ کریمہ پرسندلاتے ہیں:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ٥﴾---[پارہ:۲۶،رکوع:۷]

''کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو، یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی، تو انھیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں''---

شک نہیں کہ یزید نے والیٔ ملک ہوکر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین اور کعبہ معظمہ وروضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی ﷺ بے اذان ونماز رہی، مکہ و مدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم بے گناہ شہید کیے، کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا، مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کردیں، رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہم راہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفیٰ ﷺ کی گود کے پالے ہوئے تنِ نازنیں پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے، کہ تمام استخوانِ مبارک چور ہو گئے، سرانور کہ محمد ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حرم محترم مخدرات قید کیے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطعِ رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا؟ ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے۔قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر﴿لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾فرمایا۔لہٰذا امام احمد اوران کے موافقین اس پرلعنت فرماتے ہیں اورہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں، کفر متواتر نہیں۔اور بحالِ احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں، نہ کہ تکفیر اور اَمثال وعیدات مشروط بعدمِ توبہ ہیں، لقولہ تعالیٰ

﴿فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا اِلَّا مَنْ تَابَ ﴾[پارہ:۱۶، رکوع:۷] اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط و اسلم ہے، مگر اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا، ضروریاتِ مذہب اہلِ سنت کے خلاف ہے اور ضلال و بدمذہبی صاف ہے۔ بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں، جس میں محبت سید عالم ﷺ کا شمہ ہو: ﴿وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ o﴾" ---[فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸]

اور تحریر فرماتے ہیں:

"یزید بے شک پلید تھا، اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے اور اسے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی، کہ اہلِ بیتِ رسالت کا دشمن ہے" ---[فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، صفحہ ۱۱۴]

برادرانِ اسلام! جلیل القدر علماء محققین کے بیانات سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ یزید کیسا تھا اور اس نے کیسے کیسے مظالم ڈھائے ہیں؟ اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم اسے کیا کہہ سکتے ہیں اور کیا نہیں کہہ سکتے؟ جو لوگ کہ امام الائمہ حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ماننے والے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے امام کے طریقہ پر چلیں۔ یعنی یزید کے بارے میں لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت اختیار کریں کہ یہی اسلم ہے اور جو لوگ کہ اس کے فاسق و فاجر ہونے سے انکار کریں اور اس کے لیے امیر المؤمنین و رضی اللہ عنہ کہیں یا امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر الزام رکھیں، ایسے لوگوں کو گمراہ، بدمذہب، اہلِ بیتِ نبوت کا دشمن اور خارجی سمجھیں، ان کا بیان سننے سے پرہیز کریں اور ان کی کتابیں پڑھنے سے بچیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"بعض جاہل، جو یہ کہتے کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے یزید سے بغاوت کی، تو یہ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے اور اس طرح کی بولی خارجیوں کے ہذیانات میں سے ہے، جو اہلِ سنت و جماعت سے خارج ہیں" ---[شرح فقہ اکبر، صفحہ ۸۷]

یزید اور حدیثِ قسطنطنیہ

یزید پلید، جس نے مسجد نبوی اور بیت اللہ شریف کی سخت بے حرمتی کی، جس نے ہزاروں صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم کا بے گناہ قتل عام کیا، جس نے مدینہ طیبہ کی پاک دامن خواتین کو اپنے لشکر پر حلال کیا اور جس نے جگر گوشۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر پیاسا ذبح کیا۔

ایسے بد بخت اور مردود یزید کو پیدائشی جنتی اور بخشا بخشایا ہوا ثابت کرنے کے لیے آج کل کچھ لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، ایسے لوگ چاہے اپنے آپ کو سنی کہیں یا دیو بندی، لیکن حقیقت میں وہ اہلِ بیتِ رسالت کے دشمن، خارجی اور یزیدی ہیں۔ اس بد بخت کی حمایت میں وہ لوگ بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں، جو حدیثِ قسطنطنیہ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

ان باطل پرست یزیدیوں کا مقصد یہ ہے کہ جب یزید کی بخشش اور اس کا جنتی ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے تو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص کی بیعت نہ کرنا اور اس کے خلاف علم جہاد بلند کرنا، بغاوت ہے اور سارے فتنہ و فساد کی ذمہ داری انھی پر ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ

یزیدی گروہ جو حدیث پیش کرتا ہے، وہ یہ ہے:

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ---[بخاری شریف، جلد ۱، صفحہ ۴۱۰]

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، وہ بخشا ہوا ہے"---

اور قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے، لہٰذا وہ بخشا بخشایا ہوا پیدائشی جنتی ہے۔

یزیدی گروہ کی اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے محبوب، دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا فرمان حق ہے، لیکن قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید ہے، یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یزید نے قسطنطنیہ پر کب حملہ کیا؟ اس کے بارے میں چار اقوال ہیں:

1: ۴۹ھ، 2: ۵۰ھ، 3: ۵۲ھ، 4: ۵۵ھ

دیکھیے: کامل ابنِ اثیر، جلد ۳، صفحہ ۱۳۱/ البدایۃ و النھایۃ، جلد ۸، صفحہ ۳۲/ عینی شرح بخاری، جلد ۱۴، صفحہ ۱۹۸/ اصابۃ، جلد اوّل، صفحہ ۴۰۵

معلوم ہوا کہ یزید ۴۹ھ سے ۵۵ھ تک قسطنطنیہ کی کسی جنگ میں شریک ہوا، چاہے سپہ سالار وہ رہا ہو یا حضرت سیدنا سفیان بن عوف اور وہ معمولی سپاہی رہا ہو۔ مگر قسطنطنیہ پر اس سے پہلے حملہ ہو چکا تھا، جس کے سپہ سالار حضرت سیدنا عبد الرحمٰن بن خالد بن ولید تھے اور ان کے ساتھ حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری بھی تھے رضی اللہ عنہ۔ دیکھیے، حدیث کی معتمد و مشہور کتاب ابو داؤد شریف، صفحہ ۳۴۰۔

اور حضرت سیدنا عبد الرحمٰن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال ۴۶ھ یا ۴۷ھ میں ہوا جیسا کہ بدایہ نہایہ، جلد ۸، صفحہ ۳۱/ کامل ابن اثیر، جلد ۳، صفحہ ۲۲۹/ اُسد الغابۃ، جلد ۳، صفحہ ۴۴۰ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ کا حملہ قسطنطنیہ پر ۴۶ھ یا ۴۷ھ سے پہلے ہوا اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ یزید قسطنطنیہ کی ایک جنگ کے علاوہ کسی میں شریک نہیں ہوا۔ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر جو پہلا حملہ کیا تھا یزید اس میں شریک نہیں تھا تو پھر حدیث "اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ......اِلَخ" میں یزید داخل نہیں اور جب وہ داخل نہیں تو اس حدیث شریف کی بشارت کا بھی وہ مستحق نہیں اور یاد رکھیے کہ ابوداؤد شریف صحاح ستہ میں سے ہے، عام کتب تاریخ کے مقابلہ میں اسی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ رہی یہ بات کہ حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اس جنگ میں ہوا کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا تو اس میں کوئی خلجان نہیں، اس لیے کہ قسطنطنیہ کا پہلا حملہ جو حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ہوا، آپ اس میں شریک رہے اور پھر بعد میں جب اس لشکر میں شریک ہوئے کہ جس کا سپہ سالار یزید تھا، تو قسطنطنیہ میں آپ کا انتقال ہو گیا، اس لیے کہ قسطنطنیہ پر متعدد بار اسلامی لشکر حملہ آور رہا ہے۔

برادرانِ اسلام! اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا جو لشکر تھا، اس میں یزید موجود تھا، تو پھر بھی یہ ہرگز نہیں ثابت ہو گا کہ اس کے سارے کرتوت معاف ہو گئے اور وہ جنتی ہے، اس لیے کہ حدیث شریف میں یہ بھی موجود ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمَانِ یَلْتَقِیَانِ فَیَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَھُمَا قَبْلَ اَنْ یَّتَفَرَّقَا---[ترمذی، جلد۲، صفحہ ۹۷]

"جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں، تو جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے"---

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مَغْفِرَۃً لِذُنُوْبِہٖ---[بیہقی، مشکوٰۃ/صفحہ ۱۷۴]

"جو ماہِ رمضان میں روزہ دار کو افطار کرائے، اس کے گناہوں کے لیے مغفرت ہے"---

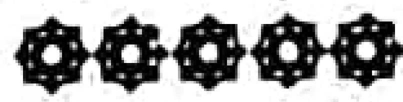
اور سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یہ بھی ہے:

یُغْفَرُ لِاُمَّتِہٖ فِیْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ فِیْ رَمَضَانَ---[احمد، مشکوٰۃ، صفحہ ۱۷۴]

"(روزہ وغیرہ کے سبب) ماہِ رمضان کی آخری رات میں اس امت کو بخش دیا جاتا ہے"---

اگر یزید نوازوں کی بات مان لی جائے تو ان احادیث کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ مسلمان سے مصافحہ کرنے والے، روزہ دار کو افطار کرانے والے اور ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے والے سب بخشے بخشائے جنتی ہیں۔اب اگر وہ حرمین طیبین کی بے حرمتی کریں، معاف، کعبہ شریف کو کھود کر پھینک دیں، معاف، مسجد نبوی میں غلاظت ڈالیں، معاف، ہزاروں بے گناہ قتل کر ڈالیں، معاف، یہاں تک کہ اگر سید الانبیاء ﷺ کے جگر پاروں کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر ذبح کر ڈالیں تو وہ بھی معاف اور جو چاہیں کریں، سب معاف۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ

برادرانِ ملت! اگر کسی عملِ خیر سے صغیرہ، کبیرہ اور اگلے، پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں، جیسا کہ آج کے یزیدیوں نے سمجھا ہے، تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔اس لیے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مصافحہ کرے گا اور اس کے بعد جو چاہے گا، کرے گا۔اگر کوئی اسے سرزنش کرے گا تو کہے گا کہ ایک مسلمان سے مصافحہ کے سبب ہمارا اگلا پچھلا سب گناہ معاف ہو گیا ہے، ہمیں کچھ نہ کہو۔خدائے عزوجل یزید نوازوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور گمراہی و بدمذہبی سے بچنے کی توفیقِ رفیق بخشے۔آمین



وفیات

گزشتہ دنوں:

ڈاکٹر سید شفیق حسین بخاری ممبر ڈائریکٹنگ سٹاف کالج حکومت پنجاب کے جواں سال صاحبزادے سید محمد عابد علی بخاری وفات پا گئے---ع: یارب کسی کو صدمہ نورِ نظر نہ ہو

موصوف پنجاب یونی ورسٹی کے لاء کالج میں طالب علم تھے اور نورالحبیب کے مستقل قاری تھے---

علاوہ ازیں ممتاز نعت گو شاعر سید محمد انوار الحق ظہوری، لاہور---

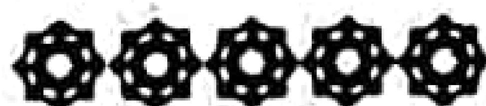
ماسٹر فضل حسین نوری، میاں چنوں کی ہمشیر صاحبہ---اور

مولانا محمد احمد نوری، لدھیوال کا بیٹا---قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



ڈاکٹر ذاکر نائک کا ریمارک

عصر حاضر میں ناصبی تحریک کے احیاء و تجدید کی آہٹ

مولانا انوار احمد بغدادی

ممبئی سے شائع ہونے والے روزنامہ ''اُردو ٹائمز'' میں جناب فاروق انصاری صاحب یزید اور کربلا کی جنگ کے تعلق سے ڈاکٹر ذاکر نائک کا بیان کوڈ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''واضح رہے کہ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کی جانب سے سائن سمیہ میدان میں منعقدہ امن کانفرنس میں ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب نے سوال و جواب کے سیشن میں یزید کو ''رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ'' کہا اور کربلا کی جنگ کو سیاسی جنگ بتایا''---

تعجب ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی تقلید راس نہیں آتی ہے مگر ناصبی مزاج رکھنے والے چند دیوبندیوں کی تقلید اس قدر خوش گوار لگی کہ ایسے بدبخت شخص کو ''رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ'' کہنے کے لیے تڑپ گئے، جس کے ہاتھ نواسۂ رسول کے خون سے رنگے ہیں، جس نے کعبہ معظمہ کا تقدس پامال کیا اور مدینہ منورہ کی حرمت لوٹی، جس کا زمانہ

پانے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابیٔ رسول نے اللہ کی پناہ مانگی ہو، جس کو ''امیر المؤمنین'' کہنے والے شخص پر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے بیس کوڑے لگانے کا فیصلہ صادر فرمایا ہو، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے جسے خارج از اسلام قرار دیا ہو، علماء سلف خلف نے جس پر لعن و تشنیع کو جائز قرار دیا ہو، ناصبیوں کے سوا جس کو کبھی کسی نے ایک اچھا آدمی نہ بتایا ہو، اسے آج کے محققین ''رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ'' سے نوازیں! تعجب بالائے تعجب!

علماء حق کے متفقہ مؤقف سے متصادم ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان درحقیقت عصر حاضر میں ناصبی تحریک کی احیاء وتجدید کی کوشش بے جا ہے۔

خیر چھوڑیئے! ڈاکٹر صاحب اور ان کے فکری ہم نواؤں کو صحابہ، ائمہ، علماء، مشائخ اور بزرگوں سے کیا لینا دینا، سلف وخلف کے آراء و مؤقف سے ان کا کیا واسطہ؟ امام اعظم رضی اللہ عنہ یزید کے اسلام وکفر پر احتیاطاً خاموشی اختیار کرتے ہیں، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اسے کافر کہتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے رہیں! آج کے غیر مقلد محققوں کے سامنے یہ کون ہوتے ہیں، جن کی بات میں دم ہو۔ آج کے یہ محققین تو خود دو کتابیں لکھ کر سب سے بڑے حدیث دان اور قرآن فہم بن چکے ہیں۔ یہ تو ترقی یافتہ دور کے محققین ہیں، یہ سائنس دان ہیں، کمپیوٹر والے ہیں، احادیث کے ذخائر ان کے فنگر کے اشارے پر ہیں۔ کل کے علماء کمپیوٹر کچھ تھوڑی جانتے تھے کہ ان سے بڑے محقق بن جاتے! یہ سب ڈاکٹر صاحب اور ان جیسے محققوں کے ریمارکس ہیں، جو توفیق الٰہی کی حکمتوں سے لاعلم اور روحانیت سے پرے ہیں۔

یزید کے بھیانک جرائم کی تاریخی جھلکیاں

یزید کی بد اطواری، شراب نوشی، ترکِ صلوٰۃ کے علاوہ، واقعۂ کربلا، واقعہ حرۃ اور واقعہ مکہ جس میں کعبہ کے پردے جل گئے تھے، یہ چند ایسے تاریخی حقائق ہیں جو یزید کے ماتھے پر بدنما داغ ہیں۔ یہ ایسے بھیانک جرائم ہیں، جن کے سامنے کوئی بھی صاحب عقل وفراست یزید کو ایک اچھا آدمی نہیں کہہ سکتا ہے، چہ جائیکہ ''رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ'' جیسا دعائیہ تعریفی جملہ ایسے بدبخت کے حق میں استعمال کیا جائے۔

ملاحظہ ہو اس کے گھناؤنے کارناموں کی ایک مختصر تاریخی روداد:

① واقعۂ کربلا

سانحۂ کربلا ایک مشہور واقعہ ہے، جس کے وقوع پر تمام مؤرخین کا اتفاق ہے۔ جس واقعہ میں یزید کے حکم سے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے نوجوان بیٹے، معصوم بچے، بھتیجے، بھانجے اور

جاں نثاروں کے ساتھ کربلا میں بھوکے پیاسے بروز جمعہ دس محرم الحرام ۶۱ھ میں نہایت دردناک کے ساتھ شہید کردیا گیا۔

اسلامی تاریخ کا کوئی ایسا مورخ نہیں ہے جس نے سانحہ کربلا کا خونی منظر بیان نہ کیا ہو۔ طبری ہوں کہ ابن اثیر یا پھر ابن کثیر، سیوطی ہوں یا پھر اور کوئی، سب نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے۔ سلف وخلف سب کا یزید کی بدبختی پر اتفاق ہے، سوائے ناصبیوں کے، جن کے دلوں میں اہل بیت کے تعلق سے بغض وعناد بھرا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی اہل ایمان ومحبت کے پاس ایسا دل ہی نہیں کہ جس میں نواسۂ رسول جگر گوشۂ بتول کے قاتلوں کے لیے کوئی جگہ ہو، جن کے قتل پر آسمان سے خون برسے ہوں، سات دنوں تک آسمان کے کناروں پر اندھیرا چھایا رہا ہو، انسان تو انسان جنات نے بھی جن کی شہادت پر مرثیہ خوانی کی ہو۔[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۰۹]

② واقعہ حرة

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کروانے کے بعد یزید نے ۶۳ھ میں مدینہ طیبہ پر فوج کشی کردی، جس کے نتیجے میں مستورات کی عزت بھی سلامت نہ رہ سکی۔ سیکڑوں صحابہ وتابعین شہید کردیے گئے۔ مسجد نبوی کی مہینہ بے حرمتی کی گئی۔ ابن کثیر حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے مسند کی ایک روایت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَ کَانَ سَبَبُ وَقْعَةِ الْحَرَّةِ اِنَّ وَفْدًا مِّنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ قَدِمُوْا عَلٰی یَزِیْدَ بْنِ مُعَاوِیَةَ بِدِمَشْقَ فَاَکْرَمَهُمْ وَ اَحْسَنَ جَائِزَتَهُمْ وَ اَطْلَقَ لِاَمِیْرِهِمْ، وَ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَنْظَلَةَ بْنِ اَبِیْ عَامِرٍ، قَرِیْبًا مِّنْ مِائَةِ اَلْفٍ، فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَکَرُوْا لِاَهْلِیْهِمْ عَنْ یَزِیْدَ مَا کَانَ یَقَعُ مِنْهُ مِنَ الْقَبَائِحِ فِیْ شُرْبِهِ الْخَمْرَ، وَ مَا یَتْبَعُ ذٰلِکَ مِنَ الْفَوَاحِشِ الَّتِیْ مِنْ اَکْبَرِهَا تَرْکُ الصَّلَاةِ عَنْ وَقْتِهَا بِسَبَبِ السُّکْرِ، فَاجْتَمَعُوْا عَلٰی خُلْعِهٖ، فَخَلَعُوْهُ عِنْدَ الْمِنْبَرِ النَّبَوِیِّ، فَلَمَّا بَلَغَهٗ ذٰلِکَ بَعَثَ اِلَیْهِمْ سَرِیَّةً، یَقْدِمُهَا رَجُلٌ، یُقَالُ لَهٗ مُسْلِمُ بْنُ عُقْبَةَ...... فَلَمَّا وَرَدَ الْمَدِیْنَةَ اِسْتَبَاحَهَا ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ، فَقَتَلَ فِیْ غُضُوْنِ هٰذِهِ الْاَیَّامِ بَشَرًا کَثِیْرًا حَتّٰی کَادَ لَایَفْلِتُ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِهَا---[البدایة والنهایة، جلد۶، صفحہ ۲۲۸]

"حادثہ حرة کا سبب یہ تھا کہ اہل مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس دمشق پہنچا، چناں چہ یزید نے اہل وفد کی تعظیم وتکریم کی، انعام واکرام سے نوازا اور امیر وفد حضرت عبداللہ بن حنظلہ کے لیے تقریباً ایک لاکھ بخشش دی، مگر جب یہ وفد مدینہ پہنچا

تو اہل مدینہ کو یزید کی شراب خوری اور اس کے نتیجہ میں اس سے سرزد ہونے والی بری عادتوں سے باخبر کردیا، جس میں بالخصوص نشہ کی وجہ سے وقت مقررہ پر نماز کی عدم ادائیگی تھی۔ یہ سن کر اہل مدینہ نے یزید کی رداء بیعت پھینکنے کا فیصلہ کرلیا اور منبر نبوی کے پاس سب نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ یزید کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں مدینہ ایک فوجی دستہ روانہ کردیا۔ یہ دستہ جب مدینہ پہنچا تو تین دنوں تک مدینہ کی حرمت کو پامال کرتا رہا، اس دوران بہت سے لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ مدینہ کا کوئی بھی شخص یزیدیوں کے دست غضب سے بچ کر نہیں نکل پایا"---

علامہ سیوطی واقدی کی متعدد طرق سے روایت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَ اللّٰہِ مَا خَرَجْنَا عَلٰی یَزِیْدَ حَتّٰی خِفْنَا اَنْ نُّرْمٰی بِالْحِجَارَۃِ مِنَ السَّمَآءِ اَنَّہٗ رَجُلٌ یَّنْکِحُ اُمَّھَاتِ الْاَوْلَادِ، وَالْبَنَاتِ، وَالْاَخَوَاتِ، وَیَشْرَبُ الْخَمْرَ وَ یَدَعُ الصَّلَاۃَ---[تاریخ الخلفاء، صفحہ۲۰۹]

"واللہ! ہم نے یزید کی مخالفت اس وقت کی جب ہمیں یقین ہوگیا کہ اب ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی کیوں کہ یزید محرمات سے نکاح کرتا ہے، شراب پیتا ہے اور نمازیں ترک کرتا ہے"---

③ واقعہ مکہ

نواسہ رسول اور ان کے جاں نثاروں کے خون سے ہولی کھیلنے اور مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دامان عفت کو چاک کرنے کے بعد یزیدیوں نے ایک شرم ناک تاریخ اور رقم کی۔ ان کے ناپاک عزائم کی زد سے حرمت کعبہ بھی نہ محفوظ رہ سکی۔ علامہ سیوطی نے ذہبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یزیدی فوج مدینہ طیبہ کی حرمت کو تار تار کرنے کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے معرکہ آرائی کے لیے مکہ شریف روانہ ہوئی۔ مکہ پہنچ کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرلیا اور منجنیق برسایا، جس کی وجہ سے کعبہ کے پردے، اس کی چھت اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربان ہونے والے مینڈھے کے دو سینگ جل گئے۔ یہ حادثہ صفر المظفر ۶۴ھ میں رونما ہوا۔[تاریخ الخلفاء، صفحہ۲۰۹]

یزید قرآن و حدیث کی کسوٹی پر

حضرت سیدنا ابراہیم عَلَیْہِ وَ عَلٰی نَبِیِّنَا الصَّلَاۃُ وَ السَّلَام کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر لوگوں کا امام بنایا تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی، یا اللہ! کیا میری ذرّیت میں سے بھی کوئی امام

ہوگا، تو جواباً اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ضرور بشرطیکہ ظالم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرَاھِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ط قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ٥﴾---

"اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کردکھائیں۔ فرمایا! تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کی اور میری اولاد سے؟ فرمایا! میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا"---[سورہ بقرۃ:۱۲۴]

دیکھیے! اس آیت میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ ظالم پیشوا نہیں بن سکتا۔ پیشوا وہی ہوگا جو خدا ترس ہو، بااخلاق اور لوگوں کا خادم ہو۔ ایک ظالم شخص، جس کی نظر میں لوگوں کی عزت و آبرو اور نفس و مال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو، جو بدکردار، شرابی اور خدائی احکام کا پابند نہ ہو، اسلام اسے خلافت و قیادت اور امامت کا اہل نہیں سمجھتا ہے، کیوں کہ اسلامی حاکم لوگوں کا خادم ہوتا ہے، جو لوگوں کے عیش و آرام پر اپنی عیش و آرام قربان کردینے کا جذبہ رکھتا ہو، جس کی نظر اپنی جاہ و ثروت، مال و دولت اور کرسی سلطنت پر نہیں بلکہ عام انسانوں کے سکون و آرام اور فلاح و بہبود پر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ اسلامی مجاہدین نے ایسے کتنے ظالم بادشاہوں کے خلاف محاذ آرائی کی جن کی رعایا ان کے ظلم و استبداد سے بلک رہی تھی۔ عراق، مصر، تیونس، جزائر اور دنیا کے بیشتر ممالک اسی نقطہ نظر کے تحت فتح کیے گئے، تا کہ عام انسانوں کو اسلام کے شہزادے عزت و نفس کی حفاظت کا پروانہ دے سکیں، جس کے لیے اسلامی مجاہدین کی قربانیاں ناقابل فراموش ہیں۔

اس آیت کے علاوہ بیشمار نصوص قرآن و احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ اسلام میں خلافت و امامت کا مستحق صرف وہی ہوگا جو عدل پرست، خدا ترس اور احکام ربانی کا پابند ہو اور خلافت سازی کا یہ عمل بذریعہ مجلس شوریٰ ہی انجام پائے گا۔

جیسا کہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا، مجلس شوریٰ ہی نے باتفاق رائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اندر خلافت کی تمام صلاحتیں دیکھ کر انہیں خلافت کے لیے نامزد کیا، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رضا کی مہر ثبت کی۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافتیں بھی صحابہ کی مجلس شوریٰ کے ذریعہ عمل میں آئیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعد مجلس شوریٰ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا مگر آپ نے چھ ماہ کے بعد خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کردی۔ تقریباً بیس سال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

خلافت کی ذمہ داری نبھائی اور رجب المرجب ۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

یہ ساٹھ سالہ اسلامی خلافت کا درخشندہ دور تھا۔ اسی کے بعد اُمت میں ظلم وفساد کا دور شروع ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث صحیح سے حضور ﷺ کی پیشین گوئی ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هَلَكَةُ أُمَّتِيْ عَلٰى اَيْدِيْ غِلْمَةٍ))---

''میری اُمت کی ہلاکت بچوں کے ہاتھ پر ہوگی''---

مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، یہ بچے کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، اگر تم چاہو تو نام بتا دوں۔ [البدایہ و النہایہ، جلد ۶، صفحہ ۲۲۳]

اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ سَنَةِ السِّتِّیْنِ وَ اِمَارَةِ الصِّبیان---

''اے اللہ! میں ساٹھ سال کے بعد کے زمانے سے اور بچوں کی حکومت سے تیری پناہ مانگتا ہوں''---

ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَزَالُ اَمْرُ اُمَّتِیْ قَائِمًا بِالْقِسْطِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَوَّلُ مَنْ یَّثْلِمُهٗ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ اُمَیَّةَ یُقَالُ لَهٗ یَزِیْدٌ))---

''میری اُمت ہمیشہ عدل وانصاف پر قائم رہے گی یہاں تک کہ بنو اُمیہ میں یزید نامی شخص ہوگا جو اس عدل میں رخنہ اندازی کرے گا''---

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَوَّلُ مَنْ یُّبَدِّلُ سُنَّتِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ اُمَیَّةَ، یُقَالُ لَهٗ یَزِیْدُ))---

''میری سنتوں کا بدلنے والا پہلا شخص بنو اُمیہ سے ہوگا، جس کا نام یزید ہوگا''---

ابن کثیر کہتے ہیں کہ بیہقی کی اس روایت میں ابو العالیہ اور ابو ذر کے درمیان انقطاع ہے مگر بیہقیہ نے ابو عبیدہ کی دوسری روایت سے اس کی ترجیح کی ہے۔ [دیکھیے البدایۃ و النہایۃ، جلد ۶، صفحہ ۲۲۳]

ابن کثیر بیہقی کے حوالے سے مزید کہتے ہیں کہ شاید وہ شخص یزید ہی ہو۔

سیّد الکائنات ﷺ کی مدح کو شرک بتانے والے لوگ یزید کی مدح اس لیے بھی کرتے ہیں کہ اس نے قسطنطنیہ کی جنگ میں شرکت کی ہے۔ مگر یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ قسطنطنیہ کی جنگ میں کوئی اور یزید نامی شخص نہیں بلکہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان ہی شریک تھا، تو اس سے یہ کہاں

لازم آتا ہے کہ اس کا یہ عمل قتل حسین اور کعبہ معظمہ و مدینہ منورہ کی بے حرمتی پر بھاری ہے۔ یزید کی تمام خطاؤں سے قطع نظر صرف قتل امام حسین ہی ایک ایسا خطرناک جرم ہے جس کی تعویض ممکن ہی نہیں۔ کیوں کہ قرآن نے تو عام مومن کے قاتل کو ہمیشہ جہنم میں رہنے والا بتایا ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا﴾---[سورۃ النساء:۹۳]

''جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب اور لعنت کی اور اس کے لیے تیار رکھا ہے بڑا عذاب''---

اب ذرا غور فرمائیں! یہ عام مسلمان کے قتل کا معاملہ ہے تو نواسہ رسول کے قاتل کا کیا حال ہوگا؟ ایک ایسا عظیم انسان جو اس وقت سے لے کر تا قیامت روئے زمین کا سب سے بہتر انسان ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں:

لِاَنَّہُ السَّیِّدُ الْکَبِیْرُ وَ ابْنُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَلَیْسَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ یَوْمَئِذٍ اَحَدٌ یُّسَامِیْہِ وَ لَا یُسَاوِیْہِ، وَ لٰکِنَّ الدَّوْلَۃَ الْیَزِیْدِیَّۃَ کَانَتْ کُلُّھَا تُنَاوِیْہِ---[البدایۃ و النہایۃ، جلد۸، صفحہ۱۴۴]

''کیوں کہ وہ سیّد کبیر اور نواسہ رسول ہیں، ان جیسا پورے روئے زمین پر کوئی نہیں، ان کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں، لیکن اس کے باوجود یزیدی حکومت ان سے خار کھاتی تھی''---

یہ اس عظیم ہستی کا قتل تھا جسے مصطفےٰ ﷺ نے اپنے لیے دنیا کی خوشبو بتایا، جس کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا۔ چناں چہ ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے اللہ! میں ان دونوں (حسن اور حسین) سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے محبت فرما جو ان دونوں سے محبت کرے''---

ترمذی کی ایک دوسری روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنَ ھُمَا رَیْحَانَتَیَّ مِنَ الدُّنْیَا))---

''حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) میری دُنیا کے دو پھول ہیں''---

ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں حسن صحیح فرمایا ہے۔

کاش! ڈاکٹر صاحب اور ان کے فکری ہم نوا ایمان و محبت کی ایک نظر اُم سلمہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ان روایتوں پر بھی ڈال لیتے جن میں رسول اللہ ﷺ کے بے انتہا دکھ درد کا احساس ہے۔

چناں چہ بیہقی دلائل میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنِصْفِ النَّهَارِ اَشْعَثَ اَغْبَرَ، وَ بِیَدِهٖ قَارُوْرَةٌ فِیْهَا دَمٌ، فَقُلْتُ بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا دَمُ الْحُسَیْنِ وَ اَصْحَابِهٖ، وَ لَمْ اَزَلْ اَلْتَقِطُهٗ مُنْذُ الْیَوْمِ، فَاُحْصِیْ ذٰلِکَ فَوَجَدُوْهُ قُتِلَ یَوْمَئِذٍ---

[البدایہ النہایۃ، جلد ۶، صفحہ ۲۲۵/تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۰۹]

''حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دوپہر خواب میں دیکھا آپ کا چہرہ انور غبار آلود ہے اور آپ کے ہاتھ میں خون سے بھری ایک شیشی ہے، میں نے پوچھا! یارسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا! یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے، جسے آج میں دن بھر اکٹھا کرتا رہا ہوں۔ جب حساب لگایا گیا تو یہ وہی دن تھا جس دن حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا''---

تاریخی حقیقت سے چشم پوشی کرنے والے لوگ کہتے ہیں کہ امام کے قتل کے ذمہ دار صرف ابن زیاد اور ابن سعد ہی ہیں، یزید اس بات سے راضی نہیں تھا۔ مگر آپ یزید کے پہلے خط کا تیور ملاحظہ کریں، جسے اس نے اپنے مدینہ کے گورنر کو لکھا تھا:

اَمَّا بَعْدُ، فَخُذْ حُسَیْنًا، وَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَیْرِ بِالْبَیْعَةِ اَخْذًا شَدِیْدًا لَیْسَتْ فِیْهِ الرُّخْصَةُ حَتّٰی یُبَایِعُوْا، وَ السَّلَام---

''امابعد! تم حسین، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی کے ساتھ بیعت لو، ان کے ساتھ کسی طرح کی نرمی نہ برتو، یہاں تک کہ یہ لوگ بیعت کرلیں، والسلام''---

[البدایۃ و النہایۃ، جلد ۸، صفحہ ۱۳۹]

یزید کے اس خطرناک تیور کے بعد بھی اگر لوگ اسے بری الذمہ سمجھتے ہیں تو یہ بتائیں کہ یزید نے امام اور ان کے رفقاء کے قاتلوں کو سزا کیوں نہیں دی؟ یا کم سے کم ان لوگوں کو معزول ہی کردیتا؟ اور بفرض محال اگر ہم یزید کو امام حسین کے خون سے بری ہی سمجھ لیں تو بھی واقعہ حرہ میں مدینہ شریف کے سات سو قراء صحابہ کا خون کس کی گردن پر ہے؟ مدینۃ الرسول ﷺ کی بے حرمتی کرنے کا سہرا کس کے سر پر ہے؟ کاش! ڈاکٹر صاحب اپنی حدیث دانی پر اعتماد کرتے ہوئے مندرجہ ذیل صحیح حدیثوں پر نظر ڈال لیتے تو شاید یزید کو ''رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ'' کہنے کی جرأت نہ کرتے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

((مَنْ اَخَافَ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَخَافَہُ اللّٰہُ، وَ عَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَ الْمَلَائِکَۃِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))---[رواہ مسلم]

''جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا دھمکایا، اللہ اسے خوف میں مبتلا کرے گا، اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے''---

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَکِیْدُ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ، کَمَا یَنْمَاعُ الْمِلْحُ))---[رواہ البخاری]

''اہل مدینہ کے ساتھ سازش کرنے والا نمک کی طرح پگھل جائے گا''---

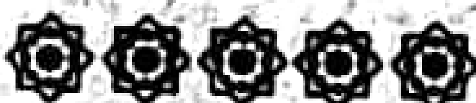
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُرِیْدُ اَحَدٌ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ بِسُوْءٍ اِلَّا اَذَابَہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ ذَوْبَ الرَّصَاصِ))---[رواہ مسلم]

''جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا، اللہ اسے آگ میں پگھلائے گا، جیسے رانگا پگھلتا ہے''---

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے پیش نظر اور قرآن وحدیث کے پس منظر میں یہ بات واضح ہے کہ یزید خلافت کا مستحق نہیں تھا۔ خلافت پر اس کا قبضہ جابرانہ تھا اور ظلم وجبر کے خلاف آواز اُٹھانا جہاد ہے، اس لیے کربلا کی جنگ سیاسی نہیں بلکہ اسلام کی راہ میں پیش کی جانے والی وہ عظیم قربانی ہے جس سے بلاشبہ اسلام کی حفاظت ہوئی ہے، قیامت تک لوگوں کو باطل کے سامنے سر نہ جھکانے کا حوصلہ ملا ہے۔ واضح رہے کہ ''الناس علٰی دین ملوکھم'' کے بموجب خلیفہ وامیر کا عمل باعث تقلید ہوتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یزید کی بدعملی لوگوں کے لیے قابل نمونہ بنے، اس لیے یزید کی مخالفت ضروری تھی، جس کے لیے صبر وعزیمت کے شہنشاہ، خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت سے انکار پر مصر ہونا پڑا اور عملی تحریف وتصحیف سے اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے آپ نے کربلا کی دھرتی پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے پیش نظر اور قرآن وحدیث کے پس منظر میں یزید لعنت وملامت کا مستحق ہے یا ''رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ'' کا، یہ فیصلہ قارئین خود کرلیں۔

[بشکریہ ماہنامہ اہل سنت]



آج بھی

پہنے ہوئے ثنا کی ہیں پوشاک آج بھی
آنکھیں مرے قلم کی ہیں نم ناک آج بھی

ذکرِ جمالِ سیدِ کونین ﷺ کے طفیل
مشعل بنا ہے قریۂ ادراک آج بھی

میں محفلِ درود میں، بھی اشک بار ہوں
اترے زمیں پہ عظمتِ افلاک آج بھی

ارض و سما میں ڈھونڈتی پھرتی ہیں خوشبوئیں
نقشِ قدومِ سید لولاک ﷺ آج بھی

آدم (علیہ السلام) کی نسل ان کا وسیلہ کرے تلاش
ورنہ بنے گی یہ خس و خاشاک آج بھی

اس میں نہیں تھے پھول مدینے کے اس لیے
دامن ہوائے شب کا ہوا چاک آج بھی

محشر کے روز اپنے خدا سے کروں گا عرض
مطلوب مجھ کو طیبہ کی ہے خاک آج بھی

ان کے عدو کا نام و نشاں تک نہیں رہا
ان کے عدو کا نام ہے ناپاک آج بھی

ایوان کفر میں ہے بپا زلزلہ ریاضؔ
بیٹھی ہوئی ہے دشمنوں پہ دھاک آج بھی

ریاض حسین چودھری



اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

نواسۂ رسول ﷺ سے نواسۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک

آمریت کے خلاف جدوجہد کی داستانِ عزیمت

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یوم شہادت کی مناسبت سے

حافظ محبوب احمد خان

اسلام آمریت کے اندھیروں میں شورائیت کی روشنی لے کر طلوع ہوا، اسی اصول پر خلافت راشدہ کا قیام عمل میں آیا۔ دورِ یزید میں اس روشنی کو بجھانے کی کوشش کی گئی مگر اس وقت تک مسلمانوں میں جمہوری روح اور شورائیت سے وابستگی زندہ تھی، لہٰذا اسلام کے نظام حکومت کو دوبارہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے اصول پر قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور مزاحمت کی گئی۔ اس جدوجہد میں نواسۂ رسول سیدنا حسین بن علی اور نواسۂ سیدنا صدیق اکبر، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شخصیات قابل قدر ہیں۔ نواسۂ رسول نے اسلام کے نظامِ شورائیت کو زندہ رکھنے کی کوشش کی اور ان کی یہ کوشش کربلا کے میدان میں ان کی شہادت پر منتج ہوئی۔ مگر یہ معاملہ کربلا میں ختم نہیں ہوا بلکہ اس کی روشنی میں آمریت کے خلاف شورائیت کی روشنی لے کر طلوع ہونے والی شخصیت حواریٔ رسول کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے،

جنھوں نے بنو امیہ کی آمریت کے خلاف حسینی مشن کو آگے بڑھایا اور اپنی بارہ سالہ جدو جہد کے دوران اسی راہ میں شہادت پائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس جدو جہد کو نقطۂ عروج پر پہنچا دیا۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی امت مسلمہ پر صدیوں پر محیط آمریت کے بادل چھا گئے اور آج بھی وسیع وعریض مسلم دنیا آمریت کے سائے میں شورائیت کی اسی روشنی کی تلاش میں ہے جو ان دو اصحاب نے اپنی قربانیوں سے روشن کی تھی۔ یہ مضمون اسلام کے اسی بطل جلیل یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قربانیوں کی ایک جھلک ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جلیل القدر صحابیہ، ثانی اثنین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور بارگاہِ رسالت سے انھیں ''ذات النطاقین'' کا لقب ملا تھا۔ اس نسبت سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نواسۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھانجا ہونے کے شرف کے ساتھ ساتھ خود اسلام میں ایک پاک باز شخصیت اور قاریٔ قرآن تھے۔ غرض خاندانی شرف وافتخار کے لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ کی ذات میں بہت سی خصوصیات جمع ہوگئی تھیں۔ یہیں سے یہ اندازہ بھی ہوجاتا ہے کہ انھوں نے کس ماحول اور فضا میں آنکھیں کھولیں اور ان کی سیرت کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کے لیے کون سے عوامل کارفرما ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ ہجرتِ نبوی کے تھوڑے عرصہ بعد حواریٔ رسول حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی والدہ حضرت صفیہ اور زوجہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی اور قباء میں قیام پذیر ہوئے۔ اس وقت حضرت اسماء حاملہ تھیں۔ ادھر اتفاق سے کچھ مدت سے کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی، یہودِ مدینہ نے مشہور کردیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کردیا ہے اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کردیا ہے، اب ناممکن ہے کہ کسی مسلمان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو۔ مسلمانوں کو یہود کی باتوں پر یقین تو نہیں تھا، پھر بھی مدینہ منورہ کی فضا پر کچھ افسردگی سی طاری تھی۔ عین اُس وقت جب یہود کی شرانگیزی پورے عروج پر تھی، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کی پیدائش پر بے حد مسرت ہوئی اور انھوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے، کیوں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے خدا نے دشمنانِ حق کے چہرے سیاہ کردیے اور ان کے جدل وتلبیس کا پردہ چاک کردیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچے کو گود میں لے کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئیں، حضور ﷺ نے بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا، پھر ایک کھجور منگوائی، دہن مبارک میں ڈال کر اسے چبایا اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ننھے کے منہ میں ڈالا۔ گویا اس عالمِ رنگ و بو میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو چیز حضرت عبداللہ کے شکم میں گئی، وہ سرورِ کائنات ﷺ کا لعابِ دہن تھا ع:

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا!

تحصیل علم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والدین اور خالہ سے خوب خوب استفادہ کیا۔ سولہ سترہ برس کی عمر میں ان کا شمار فقہائے عرب میں ہونے لگا، آگے چل کر ان کے علم قرآن و حدیث اور فقہ کی وسعت کا اعتراف دوست دشمن سب نے کیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں کا آغاز جہادِ طرابلس سے ہوا۔ طرابلس کی جنگ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے مشہور واقعات میں شمار ہوتی ہے۔ اس جنگ میں قلیل التعداد مسلمانوں کو نہایت نامساعد حالات میں محض حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت، تدبیر اور سیاست کی بدولت ایک طاقت ور دشمن پر فتح حاصل ہوئی۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حمایت کی، مگر اس جنگ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے تمام عہد خلافت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ گوشہ نشین رہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جھگڑوں میں انھوں نے مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ابن ملجم خارجی کے ہاتھوں جام شہادت پیا اور ان کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے، لیکن حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ چند ماہ بعد وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ ہجری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد تمام عالم اسلام کے بلاشرکت غیرے فرماں روا بن گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے بعد جو گوشہ نشینی اختیار کی تھی وہ پورے بیس سال تک جاری رہی۔ کسی جھگڑے میں پڑنے کی بجائے انھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس بیعت پر اس وقت تک قائم رہے جب تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کا اعلان نہ کر دیا، البتہ دورِ معاویہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے ۵۱-۵۲ ہجری میں قسطنطنیہ کی تسخیر میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے حصہ لیا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ امن وسکون کے ساتھ اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے کہ ۵۶ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کے لیے تگ ودو شروع کر دی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اس وقت

اگر چہ چھپن کے پیٹے میں تھے لیکن وہ نوجوانوں کی سی مستعدی کے ساتھ ''موروثی خلافت'' کے خلاف میدانِ عمل میں آ گئے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مکالمہ

۵۶ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال ڈالا گیا کہ خلیفہ کے انتخاب کو عامۃ المسلمین کی رائے پر چھوڑ دینے سے قتل و غارت اور خون ریزی کی بنیاد پڑتی ہے، اس لیے بہتر ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے فرزند یزید کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیں، لیکن جب اس معاملہ پر غور کیا گیا تو اس راستے میں کئی مشکلات حائل تھیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مسلمانوں میں ابھی تک جمہوری روح باقی تھی اور وہ موروثی خلافت کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس نظریے کی ناپسندیدگی کا مظہر وہ خط ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو مدینہ میں بیعت کے لیے لکھا۔ جب مروان نے مدینہ کے ایک اجتماع میں وہ خط پڑھ کر سنایا تو سب سے پہلے فرزند صدیق اکبر سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا:

> ''تمہارا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارادہ ہے کہ امت محمدیہ میں رسم قیصری جاری کی جائے کہ ایک قیصر مر جائے تو اس کا بیٹا دوسرا قیصر بنے، خدا کی قسم اس طرح تو تم جمہور کو خلیفہ کے حق انتخاب سے محروم کر رہے ہو''---

حضرات عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم بھی اسی مجمع میں موجود تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت جوش و خروش سے یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کی۔ بہر صورت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ یا مدینہ میں ان بزرگوں سے خصوصی طور پر ملے، کیوں کہ یہ سب نہ صرف اصحابِ رسول ﷺ تھے بلکہ اپنے زہد و اتقا اور علم و فضل کی وجہ سے بھی عام مسلمانوں میں بہت مقبول و معزز تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ان سب میں زیادہ تجربہ کار تھے، اس لیے سب نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے لیے انھیں اپنا نمائندہ بنایا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ دن خاموش رہے اور ان لوگوں سے نہایت ملاطفت کا برتاؤ کرتے رہے، جب ان کی روانگی کا وقت قریب آیا تو انھوں نے سب کو بلایا اور یزید کی ولی عہدی کا ذکر چھیڑا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: تم سب میرے عزیز ہو اور تمہیں بخوبی معلوم ہے کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک سے پیش آیا ہوں، یزید تمہارا بھائی ہے اور ابن عم ہے، مسلمانوں کو انتشار اور خون ریزی سے بچانے کے لیے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسے

خلافت کے لیے نامزد کر دو لیکن حکومت کے اختیارات تم اپنے ہاتھ میں رکھو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اے امیر! ہم تین صورتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک آپ اختیار کر لیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایئے، وہ صورتیں کیا ہیں؟

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ آپ رسول اکرم ﷺ کی طرح کسی کو خلافت کے لیے منتخب نہ کریں۔ امت نے جس طرح حضور ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا تھا، اسی طرح آپ کے بعد بھی خلیفہ چن لیا جائے گا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لیکن اب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی ہستی کہاں ہے؟

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو پھر آپ سنت ابوبکر صدیق پر عمل کیجیے اور اپنا جانشین اس شخص کو بنایئے جو نہ آپ کا رشتہ دار ہو اور نہ آپ کے قبیلے سے ہو۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمر رضی اللہ عنہ پر پڑ سکتی تھی، میرے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا کون ہے کہ جس پر مجھے اعتماد ہو۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تو پھر سنت فاروق رضی اللہ عنہ پر عمل کیجیے کہ چند شخصوں کو نامزد کر دیجیے، جن میں نہ آپ کا بیٹا ہو اور نہ کوئی رشتہ دار، یہ لوگ آپ کے بعد خلیفہ کا انتخاب اپنے میں سے کر لیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیا ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی چوتھی صورت بھی ممکن ہے؟

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جی نہیں، کوئی چوتھی صورت ممکن نہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اب حضرت حسین، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا:

آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟

ان سب لوگوں نے بیک زبان جواب دیا:

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ سے جو گفتگو کی ہے ہم سب اس کے ایک ایک حرف سے متفق ہیں۔

تاریخ طبری میں ہے کہ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عام مسلمانوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دی اور ان پانچوں بزرگوں کے سوا سبھی لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی۔ یزید کی بیعت سے انکار کرنے والے دوسرے بزرگوں کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم تھی لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک عظیم مدبر تھے اور ان کی نگاہِ مردم شناس بے حد باریک بین تھی۔ ان سارے بزرگوں کے اوصاف کا اندازہ کر کے انھوں نے محسوس کیا کہ جس شخص کی ذہانت، جرأت اور شجاعت یزید اور بنی امیہ کے

لیے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی ہے وہ حواریٔ رسول کا عابد وزاہد فرزند عبداللہ ہے۔

۶۰ ہجری میں امیر معاویہ ؓ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہوا، امیر معاویہ ؓ نے حضرت حسن ؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد اپنے بے پناہ سیاسی تدبر سے شام، مصر، عراق اور حجاز تمام اہم صوبوں کو اپنے زیر نگیں کر لیا تھا، تاہم عراق کے مرکزی شہر کوفہ میں ہزار ہا لوگ ایسے تھے جو بدستور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اولاد کا دم بھرتے تھے۔ ان لوگوں نے بظاہر امیر معاویہ ؓ کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن بباطن بنوامیہ کے مخالف تھے۔ چنانچہ وہ امیر معاویہ ؓ سے پوشیدہ حضرت حسین ؓ کو وقتاً فوقتاً خطوط بھیجتے رہتے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیں تو ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔

امیر معاویہ ؓ کی زندگی میں حضرت حسین ؓ نے اہل کوفہ کے خطوط کی طرف کوئی توجہ نہ کی، ان کی وفات کے بعد جب حضرت حسین ؓ مکہ تشریف لے آئے تو اہل کوفہ نے انھیں بلانے کے لیے خطوں کا تانتا باندھ دیا۔ بنوامیہ کی مخالفت میں اگرچہ عبداللہ بن زبیر ؓ اور امام حسین ؓ بالکل متفق تھے تاہم قدرت کو بنوامیہ کے خلاف ان دونوں اولوالعزم ہستیوں کا متحدہ محاذ بنانا منظور نہ تھا۔

حضرت حسین ؓ کے ساتھ جو واقعات پیش آئے اور جو کچھ اہل کوفہ نے طرزِ عمل اختیار کیا اور جس طرح کی شرم ناک متلون مزاجی دکھائی، شاید ہی تاریخ میں اس کی کوئی مثال مل سکے۔ حضرت حسین ؓ کے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کا استقبال ہزاروں لوگوں نے کیا مگر جب میدان میں عمل کا وقت آیا تو اہل کوفہ ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے ان کو ایک بڑھیا کے گھر سے برآمد کر کے قتل کروا دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کوفہ کے بجائے مکہ کو زیادہ بہتر خیال کرتے تھے کہ یہاں پر رہ کر ملوکیت کے خلاف جدوجہد کی جائے۔ چناں چہ انھوں نے حضرت حسین ؓ سے کہا کہ آپ کوفہ نہ جائیں بلکہ یہیں پر قیام پذیر ہو کر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیں، اہل کوفہ اگر مخلص ہیں تو وہ یہاں آ کر بھی آپ کی مدد کر سکتے ہیں، میں بھی ہر قسم کی اعانت کے لیے تیار ہوں۔ حضرت حسین ؓ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ ابن زبیر ؓ اس پر خاموش ہو گئے اور حضرت حسین ؓ اپنے مقتل کی جانب کوچ کر گئے۔

سات سے دس محرم ۶۱ ہجری تک حضرت حسین ؓ ان کے اہل وعیال اور جانباز ساتھیوں نے بے مثال ثابت قدمی سے کربلا کے تپتے ہوئے ریگ زار میں جان لیوا پیاس کی اذیت برداشت کی۔ اس مظلوم اور مقدس قافلہ کی داستانِ مصیبت بڑی طویل اور دل خراش ہے۔ مختصر یہ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ

کہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو خدا کے یہ جانباز سپاہی وقت کی مہیب طاغوتی قوت سے ٹکرا جامِ شہادت نوش کر گئے۔ کربلا کے حادثۂ فاجعہ کی خبر بہت جلد سارے بلادِ عرب میں پھیل گئی، جس جس مسلمان نے اس خبر کو سنا وہ بنی امیہ کی اس شقاوت پر لرز اٹھا اور اس کی آنکھ پُرنم ہوگئی۔

آمریت کے خلاف جدوجہد کا آغاز

جب مکہ میں کربلا کے حادثہ فاجعہ کی خبر پہنچی تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو سخت صدمہ ہوا، انھوں نے اہل مکہ کو مسجد حرام میں بلایا اور ان کے سامنے کھڑے ہوکر ایک رقت انگیز تقریر کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لوگو! اہل عراق سے بدتر مخلوق روئے زمین پر نہیں ہے اور عراقیوں میں بدترین کوفہ کے لوگ ہیں، انھوں نے بار بار خطوط بھیج کر حسین رضی اللہ عنہ کو اس لیے بلایا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور ان کی ذاتِ گرامی سے نورِ ہدایت حاصل کریں گے لیکن جب حسین رضی اللہ عنہ ان کی سرحد پر پہنچے تو ان شقی القلب لوگوں نے اپنے بلائے ہوئے مہمانوں پر پانی تک بند کر دیا اور بنی امیہ کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا اور ان کو مجبور کیا کہ یزید کی بیعت کرو اور اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالے کردو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

واللہ! حسین رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ وہ بے سروسامان ہیں اور اس گروہِ اشقیا کے مقابلے میں (نظر بظاہر) کامیاب نہیں ہو سکتے، لیکن انھوں نے ذلت کی زندگی کو ٹھکرا دیا اور عزت کی موت قبول کر لی۔ خدا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو ذلیل کرے۔ عراقیوں کی یہ بدعہدی اور غداری قابل نفرین بھی ہے اور قابل عبرت بھی، لیکن جو مقدر میں تھا وہ ہوا، مشیت ایزدی کے سامنے چارہ نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہم ان بدکردار لوگوں کے قول و فعل پر بھروسا کر سکتے ہیں؟"---

(تمام مجمع جو شدتِ جذبات سے رو رہا تھا باآوازِ بلند پکارا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں، ہم قاتلانِ حسین اور ان کے ساتھیوں پر اعتبار نہیں کر سکتے) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! خدا کی قسم، یہ لوگ بھروسے کے قابل ہی نہیں، انھوں نے اس عظیم المرتبت شخص کو قتل کیا جو دن کو روزے رکھتا تھا اور رات کو عبادت کرتا تھا، جو قرآن خواں اور پاک باز تھا، جو ہر لحاظ سے ان سے بڑھ کر خلافت کا مستحق تھا۔ واللہ! حسین رضی اللہ عنہ روزے

کے مقابلے میں بادہ خواری، خوف خدا سے رونے کے مقابلے میں رقص وسرود، قرآن کی ہدایت کے مقابلے میں گمراہی اور ذکر حق کے مقابلے میں شکاری کتوں کے ذکر کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ خدا ان دھوکے باز قاتلوں کو سخت سزا دے گا"---

یہاں سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جدوجہد کا وہ دور شروع ہوتا ہے، جو ان کی شہادت پر منتج ہوا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب تقریر ختم کی تو مجمع فرط غم سے نڈھال ہو گیا تھا۔ جب مجمع کے ہوش وحواس بحال ہوئے تو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا:

"واللہ! حسین رضی اللہ عنہ کے بعد آپ سب سے بڑھ کر مستحق خلافت ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے ہم براءت کا اظہار کرتے ہیں، آپ ہاتھ بڑھائیں، ہم آپ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے ہیں"---

آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اس معاملے میں تامل کیا، مگر لوگوں کے اصرار پر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا سب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

اہل مکہ کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے تہامہ اور حجاز کے دوسرے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی، تمام لوگوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور سارا حجاز یزید کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔ اہل مدینہ بھی یزید کی بیعت توڑ چکے تھے اور انھوں نے اپنا مقامی امیر عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کو بنا لیا تھا، یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ اور اہل مکہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا اور اس کو ہدایت کی کہ اہل مدینہ کو پہلے اطاعت کی دعوت دینا اور انھیں سرکشی سے باز رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا، اگر وہ نہ مانیں تو پھر تلوار اٹھانا اور وہ مار مارنا جو کہ ہمیشہ تمہارا شیوہ رہی ہے۔ اہل مدینہ کو شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا، تین دن کے بعد ہاتھ روک لینا۔ اس بات کا پورا خیال رکھنا کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ (حضرت زین العابدین) کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچے، کیوں کہ وہ اس ہنگامہ سے علیحدہ ہیں۔ حصین بن نمیر کو اپنا نائب مقرر کر لو، اگر تمہاری بیماری بڑھ جائے تو لشکر کی امارت حصین بن نمیر کے سپرد کر دینا۔

سانحہ کربلا کی طرح واقعۂ حرہ بھی تاریخ اسلام کا ایک انتہائی الم ناک باب ہے۔ بعض مؤرخین نے یزید کو سانحہ کربلا سے ایک حد تک بریٔ الذمہ قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن کوئی مؤرخ اس کو واقعۂ حرہ کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔

مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ اپنے لشکر کے ہمراہ مکہ معظمہ پر حملہ کے قصد سے روانہ ہوا کیوں کہ جب تک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شخصیت موجود تھی یزید کی خلافت خطرے میں تھی۔

۲۶ محرم ۶۴ھ کو یہ لشکر مکہ کے سامنے جا پہنچا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ سے باہر نکل کر اس فوج کا سخت مقابلہ کیا اور اس مقابلے میں ان کے بھائی منذر بن زبیر رضی اللہ عنہ داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے کھلے مقابلہ کے بجائے مکہ میں محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ حصین بن نمیر نے کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانۂ کعبہ پر آتش باری اور سنگ باری شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کمال استقامت اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور ذرہ برابر بھی ہراساں نہ ہوئے۔ وہ نہایت سکون سے حرم میں جا کر نماز میں مشغول ہو جاتے، ان کو دیکھ کر اہل مکہ کے حوصلے بھی نہایت بلند تھے اور انھوں نے آخری دم تک شامی لشکر کے مقابلے کا تہیہ کر لیا۔

خوارج کے مذاکرات اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کا طرز عمل

اس حالت محصوری میں خوارج کی ایک جماعت مکہ پہنچی، اگرچہ خوارج یزید کے تو مخالف تھے، مگر آپ رضی اللہ عنہ کے حامی بھی نہ تھے، البتہ ان کا خیال تھا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یزید سے بہتر ہیں اور اگر آپ رضی اللہ عنہ خوارج کی ہم نوائی کریں تو وہ شامی لشکر کے مقابلے میں اس مصیبت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی مدد کر سکتے ہیں۔ اس نازک وقت میں آپ رضی اللہ عنہ کو مدد کی شدید ضرورت بھی تھی، مگر آپ رضی اللہ عنہ نے کسی قسم کا سمجھوتہ اور ان کے نظریات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چناں چہ نافع اور نجدہ کے ساتھ ملاقات میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی جدوجہد کے مقاصد بیان کیے اور اسلاف کے بارے میں نیک خیالات کا اظہار کیا۔

نجدہ: آپ کا شیخین (ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے متعلق کیا خیال ہے؟

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ: وہ بہترین اصحاب اور خلیفہ تھے۔

نجدہ: عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے انصاف اور شریعت حقہ کے خلاف کام کیے اور قتل کیے گئے اور پھر علی رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ جنھوں نے صفین میں غیر اللہ کو حکم بنایا؟

نافع: اور طلحہ اور اپنے والد زبیر کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد اس سے لڑے اور حرمِ رسول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکمِ الٰہی کے خلاف میدانِ جنگ میں لائے؟

پھر دونوں بیک زبان بولے: اگر آپ ان امور میں ہماری رائے سے متفق ہوں تو ہماری سرفروش جماعت آپ کی حمایت میں شامی لشکر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ: دیکھو تم اپنی رائے کے خود مالک ہو لیکن مجھے کیسے مجبور کر سکتے ہو کہ تمہاری رائے سے اتفاق کروں۔ سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے کہ مُردوں کو برائی سے یاد کر کے زندوں کو تکلیف نہ دو۔ اسی لیے حضور ﷺ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابوجہل کے سامنے ان کے والد کی مذمت کرنے سے منع فرما دیا تھا کہ ان کا دل آزردہ نہ ہو اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم دیا تھا کہ فرعون سے نرمی سے پیش آئیں۔ میں حضور ﷺ کا ایک ادنیٰ نام لیوا ہوں، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے بزرگوں کی کیسے مذمت کر سکتا ہوں؟

نجدہ: جو شخص ظالم سے بیزار نہیں ہوتا اور بدی کو بدی نہیں کہتا، وہ گنہگار رہے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ: بے شک میں ظالموں سے بیزار ہوں اور بدی کو بدی کہتا ہوں۔

نافع: آپ وضاحت کریں کہ کون ظالم ہے؟

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ: اس کی کوئی ضرورت نہیں، آخرت میں ذاتی اعمال کی پرسش ہو گی، یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم کسے ظالم سمجھتے تھے؟

نجدہ اور نافع یہ سن کر چلے گئے، دوسرے دن پھر آئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی گفتگو کی۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ایک عالمانہ خطبہ دیا، جس میں خوارج کے تمام دلائل کا دندان شکن جواب دیا۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بے شک اس نازک وقت میں تمہاری امداد ہمارے لیے بڑی قدر و قیمت رکھتی ہے لیکن مجھے نہ حکومت کی آرزو ہے نہ فتح و شکست کا خیال، مَیں تو حق و صداقت کے لیے لڑ رہا ہوں، اگر میری مدد کرو گے تو اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا، اگر نہ کرو گے تو مجھے اللہ کافی ہے۔ مجھے تو اس کی بھی پروا نہیں کہ تم میرے دشمنوں سے جا ملو"---

یہ تقریر سن کر خوارج مایوس ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ اس واقعہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بلند کرداری کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا کو دین پر ترجیح دینے کے لیے کسی صورت میں رضامند نہ ہوئے۔ اگر وہ ایک دنیا پرست سیاسی شاطر ہوتے تو ہر صورت میں خارجی جنگ جوؤں، جن کی بہادری مسلمہ تھی، کی حمایت حاصل کر لیتے اور بنی امیہ کی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتے، لیکن وہ اپنے عقیدہ و اصول پر چٹان کی طرح جمے رہے اور انتہائی مصیبت کے وقت بھی ریاکاری اور منافقت سے کام نہ لیا۔

مکہ مکرمہ کا محاصرہ کم و بیش چونسٹھ دن جاری رہا، ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے مسجد حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا، نہ آتش بازی کی پروا تھی اور نہ سنگ باری

کی۔ خود حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ جب میں نے مکہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے خیمے سے اس طرح نکلتے تھے جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے۔

اس محاصرہ کی شدت سے مکہ کے لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی، لوگوں کا گھروں سے نکلنا بھی دشوار ہو گیا۔ سنگ باری سے کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا، چھت اور دیواریں شکستہ ہو گئیں، اس پر غضب یہ ہوا کہ ایک دن کعبہ کی عمارت کو آگ لگ گئی۔ یہ آگ شامی لشکر کی آتش بازی سے لگی یا کسی اور وجہ سے، اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔

مکہ کا محاصرہ ابھی جاری تھا کہ ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ کو یزید نے وفات پائی۔ سب سے پہلے یہ خبر ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ملی، انھوں نے ایک دیوار پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا:

''اے اہل شام! تمہارا گمراہ سردار یزید مر گیا، اب کیوں لڑ رہے ہو؟''---

حصین بن نمیر کی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات

یزید کی موت کے ساتھ ہی حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ کوچ سے قبل اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے ''ابطح'' کے مقام پر ملاقات کی درخواست کی، دورانِ ملاقات حصین نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یزید کی موت کے بعد آپ سے زیادہ حق دارِ خلافت میری نظر میں کوئی نہیں ہے، میں اور میرے ساتھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ ہمارے ساتھ چلیں، میں تمام اہل شام کو آپ کی بیعت پر آمادہ کروں گا، اہل حجاز پہلے ہی آپ کے ساتھ ہیں، اہل شام کی بیعت کے بعد تمام عالم اسلام آپ کو خلیفہ تسلیم کر لے گا، اب تک ہمارے درمیان جو خون ریزی ہوئی ہے اسے آپ معاف فرما دیں''---

ابن زبیر رضی اللہ عنہ اگر ایک عام سیاسی شاطر ہوتے تو یہ پورے عالم اسلام پر حکومت کرنے کا سنہری موقعہ تھا، لہٰذا حصین بن نمیر جیسے صاحب اثر سردار اور بنو امیہ کے پشت پناہ کی بات فوراً مان لیتے، لیکن وہ عام دنیاوی حکمرانوں اور سیاسی شاطروں سے بلند شخصیت تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور خوارج سے جو ان کی گفتگو ہوئی اس سے اقتدار و حکومت کے بارے میں ان کے خیالات کھل کر سامنے آتے ہیں کہ ان کی جدوجہد دنیاوی منفعت کے حصول کے لیے نہ تھی۔

حصین بن نمیر کی واپسی کے بعد ۶۴ ہجری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کی تجدید و تعمیر کی۔ انھوں نے حج کے موقع پر عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رائے دی کہ خانہ کعبہ کے صرف اس حصہ کی مرمت

کرانی چاہیے جو کمزور ہے یا جس کو نقصان پہنچا ہے، باقی عمارت کو بجنسہٖ اسی حالت میں رہنے دیا جائے جس صورت میں وہ عہدِ رسالت میں تھی، لیکن ابن زبیر ﷺ شدت سے مصر تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر و تجدید ضروری ہے۔ انھوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''لوگو! ہمارا ذاتی مکان گر جائے تو ہم اس کے بنوانے کے لیے ہر قسم کی سعی و جہد سے کام لیتے ہیں، اب اللہ کا گھر ہمارے سامنے گرا ہوا ہے، ہم اس سے کیسے بے اعتنائی برت سکتے ہیں!''---

ابن زبیر ﷺ کعبہ کی تجدید و تعمیر سے ۱۷ رجب ۶۴ ہجری کو فارغ ہوئے، یہ شاید ان کی زندگی کا سب سے مسرت بخش دن تھا، اس دن انھوں نے نئی عمارتِ کعبہ کو اندرونی اور بیرونی جانب سے اوپر سے نیچے تک مشک اور عنبر سے بسوایا اور اس پر دیبا کا غلاف چڑھوایا۔ کعبہ کی تعمیر ابن زبیر ﷺ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ انھوں نے اس کی تعمیر پر دل کھول کر روپیہ صرف کیا اور بڑی ہمت، خلوص اور ایثار سے کام لیا۔ ابن زبیر ﷺ کے بعد اگرچہ خانہ کعبہ کی کئی بار از سرِ نو تعمیر ہوئی تاہم اس کے مشرقی، جنوبی اور مغربی حصے آج بھی انھی کی تعمیر کے مطابق ہیں۔

یزید کی وفات کے بعد ۶۴ سے ۶۵ ہجری تک دِمشق سیاسی ابتری کا شکار رہا۔ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن زبیر ﷺ نے شام کی سیاسی ابتری سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اگر وہ شام میں اپنے حامیوں کو بروقت مدد پہنچا دیتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی امیہ کا اقتدار ہمیشہ کے لیے نہ ختم ہو جاتا۔

۶۵ ھ میں عالم اسلام کی کیفیت یہ تھی کہ حجاز اور عراق پر عبداللہ بن زبیر ﷺ کا قبضہ تھا اور شام اور مصر مروان کے زیرِ اقتدار تھے یعنی بیک وقت عالم اسلام پر دو خلیفہ تھے۔ دولت و حشمت میں بنی امیہ بلا مبالغہ ابن زبیر ﷺ پر فوقیت رکھتے تھے لیکن زہد و اتقا، صبر و استقامت اور احکامِ شریعت کی بجا آوری میں ابن زبیر ﷺ کا کوئی ثانی بنی امیہ میں نہ تھا۔ ابن زبیر ﷺ ایک نیک نیت آدمی تھے، جوڑ توڑ کے ماہر اور سیاسی شاطر نہیں تھے، وہ نیک نیتی سے بنی امیہ کو حق پر نہیں سمجھتے تھے، اس لیے محض اللہ کے بھروسے پر بیسیوں پریشانیوں کے باوجود آخری دم تک بنی امیہ کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔

ابن زبیر ﷺ اگر ایک جانب بنی امیہ کے مدِمقابل تھے تو دوسری جانب ابن زیاد کے ہاتھوں ''توابین'' کی شکست کے بعد اس تحریک کے باقی ماندہ لوگوں کو مختار بن ابی عبید ثقفی نے انتقامِ حسین ﷺ کے نام پر اپنے گرد اکٹھا کر لیا تھا اور کوفہ اور بصرہ میں یہ تحریک ابن زبیر ﷺ کی خلافت کے لیے ایک خطرہ بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ عبداللہ بن زبیر ﷺ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیر ﷺ کی جدوجہد سے مختار کا فتنہ ۱۴ رمضان المبارک ۶۷ ہجری کو اس کے قتل پر ختم ہوا۔ ایسے زیرک اور جنگ

جو دشمن کا خاتمہ ابن زبیرؓ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ تاہم اس کامیابی کے لیے آپؓ کی بہت سی فوجی طاقت بھی صرف ہوگئی جو بنی امیہ کے خلاف آپؓ کی جدوجہد کو کمزور کرگئی۔ مختار کے خاتمہ کے بعد ہی حالات نے بڑی تیزی سے رخ بدلنا شروع کیا، مختار اپنی زندگی میں بنی امیہ اور ابن زبیرؓ دونوں سے نبرد آزما رہا اور یہ دونوں اسی کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے رہے۔ اس طرح عبدالملک بن مروان اور ابن زبیرؓ کے درمیان کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ مختار کے قتل کے بعد عبدالملک اور ابن زبیرؓ کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے آگئے اور دونوں میں کشمکش کا آغاز ہوگیا۔

مصعب بن زبیر کے ساتھ عراقیوں کی غداری اور شہادت

عبدالملک نے مصعب بن زبیرؓ کے لیے، جو عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی اور ان کی جانب سے عراق کے والی تھے، مقابلے کے لیے بڑی زبردست فوج تیار کی۔ اس وقت مصعب اپنے دو بڑے جرنیلوں مہلب بن ابی صفرہ اور عمر بن عبداللہ معمر کو خوارج کی سرکوبی کے لیے فارس روانہ کر چکے تھے۔ مصعبؓ نے اہل عراق پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا اور یہی اعتماد ان کے لیے مہلک ثابت ہوا۔ عبدالملک نے نہ صرف جنگ کے لیے بہترین تیاری کی بلکہ ہر وہ حربہ استعمال کیا جو مصعبؓ کی فوج کو کمزور کرتا رہا۔ بے تحاشا دولت کے ذریعے مصعبؓ کے ساتھیوں کو خرید اگیا۔ جب عبدالملک کو اطمینان ہوگیا تو اس نے ایک لشکر جرار کے ساتھ عراق کا رخ کیا۔ مصعب بھی مقابلے کے لیے تیار ہوگئے اور دونوں فوجوں نے دیر جاثلیق میں ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔

عبدالملک کی کثیر التعداد فوج دیکھ کر مصعب کے آدمی لڑائی سے جی چرانے لگے۔ اس وقت انھوں نے عراقیوں کے بارے میں تاریخی جملے کہے:

> ''خدا احنف بن قیس پر رحم کرے، وہ مجھے اہل عراق کی غداری سے ہوشیار رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ عراقی فاحشہ عورتوں کی مانند ہیں، جس طرح انھیں ہر روز ایک نیا خاوند درکار ہوتا ہے، اسی طرح عراقیوں کو ہر روز ایک نئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے'' ---

پھر انھوں نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا کہ حسین بن علیؓ نے میدانِ کربلا میں ایسے حالات میں کیا کیا تھا؟ عروہؓ نے واقعہ کربلا کی پوری تفصیل بیان کی اور آخر میں کہا کہ حسینؓ نے غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ مصعب نے کہا:

''واللہ! میں حسینؓ کی پیروی کروں گا'' ---

اس طرح عراقیوں نے ایک بار پھر اپنا روایتی کردار ادا کیا اور ایک وقت حضرت مصعب ﷺ بن زبیر اور ان کا بیٹا عیسیٰ ہی میدان میں رہ گئے۔ عیسیٰ کی شہادت کے بعد جب ایک شامی اس کا سر کاٹنے کے لیے آگے بڑھا تو بے تاب ہو گئے اور اسے ہٹانے کے لیے لپکے۔ پہلے ہی زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، اب شامیوں نے انھیں نرغے میں لے لیا اور تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ حواریٔ رسول کا فرزند مجبور ہو کر اپنے زخمی گھوڑے سے اتر پڑا، بدن کے روئیں روئیں سے خون پھوٹ رہا تھا اور کمزوری سے قدم لڑکھڑا رہے تھے لیکن تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔ اسی حالت میں جب ایک شامی عبید اللہ بن زیاد بن ظبیان نے ان پر اپنے نیزے سے وار کیا تو انھوں نے تلوار کا ایک بھرپور وار کر کے اسے زخمی کر دیا لیکن اب قوت مدافعت نے بالکل جواب دے دیا۔ عبید اللہ نے آگے بڑھ کر ان کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔ اس طرح عبد اللہ بن زبیر ﷺ کا دست راست اور مخلص ترین معتمد ایک بار پھر عراقیوں کی غداری کی وجہ سے شہید ہو گیا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ مصعب کا سر کوفہ اور مصر میں پھرایا گیا اور پھر اسے دمشق لے کر جا کر منظر عام پر لٹکا دیا گیا۔ عبد الملک کی بیوی عاتکہ بنت یزید نے اس پر سخت احتجاج کیا اور عبد الملک سے کہا کہ کیا تمہارا جی ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا، اب اس سر کی نمائش کرتے ہو۔ اس کے بعد اس نے اس سر کو اتروا کر غسل دلوایا اور دفن کرا دیا۔ یہ واقعہ اے ہجری میں پیش آیا۔

اہل عراق کی غداری ایک عجیب واقعہ ہے۔ ان کی غداری کا محرک ان کی سازشی، حریصانہ اور بزدلانہ فطرت رہی، جو میدانِ کربلا میں حضرت حسین ﷺ کی شہادت کا باعث ہوئی، وہی عوامل مصعب بن زبیر ﷺ کی شہادت کا بھی باعث ہوئے۔ عبد اللہ بن زبیر ﷺ کو جب مصعب کے قتل کی اطلاع ملی تو انھیں سخت صدمہ پہنچا۔ مصعب ان کے محبوب بھائی اور حقیقی بہی خواہ تھے بلکہ ان کی طاقت کا سب سے بڑا ستون تھے۔ انھوں نے اس موقع پر اہل مکہ کو جمع کر کے ایک دل دوز تقریر کی:

> ''مصعب کے قتل کی خبر بیک وقت ہمارے لیے رنج اور خوشی کا باعث ہے۔ رنج اس لیے کہ ہمارا سچا دوست ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا، خوشی اس لیے کہ اسے شہادت نصیب ہوئی۔ وہ میرا مددگار تھا اور اہل عراق کا خیر اندیش، اہل عراق بڑے منافق اور محسن کش ہیں، انھوں نے مصعب کی نیکیوں اور احسانات کو بڑی کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ خدا کی قسم! ہم ابو العاص کی اولاد کی طرح بستروں پر نہیں مریں گے، ہم تیروں کے زخم کھا کر تلواروں کے نیچے جان دے دیتے ہیں۔ اے لوگو! دنیا بے ثبات ہے، اگر ہمارے پاس آئے گی تو ہم اسے رذیل اور کمینہ لوگوں کی طرح نہ لیں گے،

اگر ہم سے دور ہوگی تو ہم اس پر نامردوں اور ناشکروں کی طرح نہ روئیں گے، بس میں اپنے اور تمہارے لیے خدا تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت طلب کرتا ہوں"---

مصعب بن زبیر ؓ کا قتل عبدالملک کی عراق پر حکمرانی کا آغاز تھا۔ عراق پر مکمل تسلط کے بعد عبدالملک نے مکہ معظمہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دیں، اس کام میں سب سے بڑی دقت یہ تھی کہ حرمِ اقدس پر حملہ کرنے کے لیے کوئی سردار تیار نہ تھا۔ سرداروں کی اکثریت کا خیال تھا کہ خانہ کعبہ کو میدانِ جنگ بنانا عذابِ الٰہی کا باعث ہوگا، بالآخر عبدالملک نے ایک دن تمام عمائدین بنی امیہ اور اپنے دوسرے بہی خواہوں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر کہا:

"تم میں سے کون ابن زبیر ؓ کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھاتا ہے؟"---

عبدالملک کے سوال پر حجاج بن یوسف ثقفی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا:

"امیر المومنین! یہ کام میرے سپرد کر دیجیے"---

عبدالملک نے مکہ معظمہ پر حملہ کے لیے حجاج کو نامزد کر دیا اور تین ہزار آدمی اسے دے کر حکم دیا کہ فی الحال اہل مدینہ سے تعرض کرتے ہوئے سیدھے طائف پہنچ کر قیام کرنا اور وہاں سے چھوٹے چھوٹے دستے مکہ معظمہ پر حملہ کے لیے روانہ کرنا تاکہ ابن زبیر ؓ کی طاقت کا خوب اندازہ ہو جائے۔

مکہ معظمہ کا محاصرہ اور ابن زبیر ؓ کی شجاعت

حجاج آندھی اور طوفان کی طرح حجاز کی طرف بڑھا اور مدینہ منورہ کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے سیدھا طائف پہنچ کر قیام پذیر ہوا۔ یہاں سے وہ عبدالملک کی ہدایت کے مطابق چھوٹے چھوٹے دستے مکہ معظمہ کی طرف روانہ کرتا۔ کئی مہینے اس طرح گزرے تو حجاج نے عبدالملک سے مکہ معظمہ کے محاصرہ کی اجازت مانگی، عبدالملک نے نہ صرف اجازت دے دی بلکہ پانچ ہزار آدمیوں پر مشتمل مزید کمک بھی روانہ کر دی۔ یہ کمک ملتے ہی حجاج نے کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی، یہ سنگ باری اتنی شدید تھی کہ بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہوتا تھا۔ حجاج نے صرف سنگ باری پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے حکم دیا کہ آگ کے گولے بنا بنا کر پھینکے جائیں تاکہ سنگ باری اور آتش باری مل کر زیادہ کاری ضرب لگا سکیں اور ابن زبیر ؓ اور ان کے ساتھی اطاعت قبول کر لیں۔ ادھر ابن زبیر ؓ نہایت حوصلہ سے ان آفات کا مقابلہ کر رہے تھے، ان کے پائے استقلال میں لمحہ بھر کے لیے بھی لغزش پیدا نہ ہوئی، وہ حرم اقدس میں پناہ گزین تھے اور عین سنگ باری کی حالت میں نہایت امن وسکون سے نماز ادا کرتے تھے۔ بڑے بڑے پتھر

اور آگ کے گولے ان کے اردگرد گرتے تھے لیکن وہ برابر عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

حجاج نے محاصرہ میں اتنی سختی برتی کہ خوراک کا ایک دانہ بھی مکہ کے اندر نہیں جا سکتا تھا۔ شروع شروع میں ابن زبیر ﷛ کے پاس کافی سامانِ رسد تھا، لیکن جوں جوں محاصرہ طویل ہوتا گیا، سامان رسد میں کمی ہوتی گئی، حتیٰ کہ لوگوں نے اپنے گھوڑے ذبح کر کے کھانے شروع کر دیے۔ مکہ میں عام قحط پڑ گیا اور اشیائے خوردنی انتہائی گراں ہو گئیں۔ مکہ کے لوگ گھبرا اٹھے اور آہستہ آہستہ ابن زبیر ﷛ کا ساتھ چھوڑ کر مکہ سے باہر نکل کر حجاج کی اطاعت قبول کرنے لگے، تھوڑے ہی دنوں میں دس ہزار آدمی ابن زبیر ﷛ کا ساتھ چھوڑ گئے۔ یہ محاصرہ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ جاری رہا، اسی دوران میں حج بھی ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیغام پر حجاج نے ایامِ حج میں سنگ باری بند کر دی لیکن عبداللہ بن زبیر ﷛ کو اس نے میدانِ عرفات میں جانے کی اجازت نہ دی اور نہ خود اس نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ حج کے بعد اس نے دوبارہ سنگ باری شروع کر دی اور ساتھ ہی امان نامے بھی ابن زبیر ﷛ کے ہمراہیوں کے پاس بھیجنے شروع کر دیے۔ اس کی یہ تدبیر کارگر رہی اور ابن زبیر ﷛ کے رہے سہے ساتھیوں میں سے اکثر حجاج کی امان میں آ گئے۔ اس حالت میں انھیں حجاج کا ایک خط ملا جو اس نے انھیں عبدالملک کے حکم کی تعمیل میں لکھا تھا۔ اس خط میں لکھا تھا:

"آپ اچھی طرح جان گئے ہوں گے کہ اب آپ کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی آپ کا مددگار، اب آپ مجبورِ محض ہیں، آپ کے لیے بہترین راہِ عمل یہی ہے کہ آپ میری امان میں آ جائیں اور امیر المومنین عبدالملک کی بیعت کر لیں۔ امیر المومنین وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی پوری عزت کی جائے گی اور آپ جو طلب کریں گے آپ کو دیا جائے گا۔ امیر المومنین نے مجھے حکم دیا تھا کہ آپ کو امن و صلح کی طرف مائل کروں اور آپ کے قتل میں جلدی نہ کروں"---

ابن زبیر ﷛ نے حجاج کے خط کا کوئی جواب نہ دیا اور کوہِ استقامت بن کر مقابلے پر ڈٹے رہے، آخر کار صرف پانچ فداکاران کے ساتھ رہ گئے۔ اسی حالت میں ایک دن اپنی جلیل القدر والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا:

"اماں جان! آپ کا کیا حال ہے؟"---

حضرت اسماء: میرا حال کیا پوچھتے ہو؟ بصارت زائل ہو چکی ہے۔

ابن زبیر ﷛: اماں جان! موت میں بڑی راحت ہے۔

حضرت اسماء: بیٹے! میں تمہارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تا کہ اگر تمہیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھ سے تمہارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔

ابن زبیر ﷛ ہنس پڑے اور دس دن بعد سلام رخصت کے لیے ان کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے، اس وقت وہ مسجد حرام میں تشریف فرما تھیں۔ ابن زبیر ﷛ اس وقت زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے اور والدہ سے رخصت ہو کر سیدھے میدانِ جنگ میں جانے کا ارادہ تھا۔ ماں سے عرض کیا:

''اماں جان! محاصرے کو سات ماہ گزر گئے ہیں، میرے تمام ساتھی میرا ساتھ چھوڑ گئے ہیں، یہاں تک کہ میرے دو بیٹے (حمزہ اور خبیب) بھی حجاج کی امان میں چلے گئے ہیں، صرف چار پانچ آدمی اور میرا لختِ جگر زبیر اس وقت میرے ساتھ ہیں۔ حجاج مجھے امان دیتا ہے اور عبدالملک نے وعدہ کیا ہے کہ جو طلب کروں گا وہ دے گا۔ فرمائیے ایسی حالت میں آپ کا کیا حکم ہے؟''---

صدیق اکبر ﷛ کی جلیل القدر بیٹی نے جواب دیا:

''بیٹا! تم اپنے معاملے کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو، اگر تم حق پر ہو تو جاؤ جس راہ میں تمہارے ساتھیوں نے جانیں دی ہیں اسی راہ میں تم بھی جان دے دو، اگر تم ناحق محض دنیا کے لیے لڑے تو بہت برا کیا، مسلمانوں کا خون بہایا، ساتھیوں کی جانیں گنوائیں اور خود کو ہلاکت میں ڈالا''---

ابن زبیر ﷛ کہنے لگے:

''اماں! میں حق وصداقت کے لیے لڑا اور حق وصداقت کے لیے ساتھیوں کو لڑایا، صرف موجودہ صورتِ حال سے آپ کو آگاہ کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں''---

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا:

''اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم حق پر تو ہو لیکن اب حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کے نہ ہونے کے باعث دشمنوں سے دب جاؤ تو یہ شریفوں اور دین داروں کا شیوہ نہیں''---

ابن زبیر ﷛ نے جواب دیا:

''اماں! میں موت سے نہیں ڈرتا، صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا مُثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے''---

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

"بیٹے! بکری جب ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیے جائیں، اسے کیا پروا؟..........تم اللہ پر بھروسا کر کے اپنا کام کرو، راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قبول نہ کرنا!"---

اپنی جلیل القدر والدہ کے حوصلہ افزا کلمات سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی اور فرطِ محبت سے انھوں نے اپنی والدہ کا سر چوم لیا، پھر عرض کیا:

"اماں جان! میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راہِ حق میں مردانہ وار لڑ کر جان دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا میں نے ضروری سمجھا، تاکہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج و غم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے، آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ اسی طرح صبر و شکر سے کام لیں گی۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ میں نے کبھی برائی کو پسند نہ کیا، کسی مسلمان پر ظلم نہیں کیا، کبھی بدعہدی نہ کی، کبھی امانت میں خیانت نہ کی، میرے کسی عامل نے کبھی کوئی بے جا کام کیا تو اس کی حوصلہ شکنی کی، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق پورے کرنے میں جو کچھ ہو سکا کیا، اللہ کی رضا کے سوا مجھے کوئی شے مطلوب نہیں"---

پھر آسمان کی جانب نظر اٹھائی اور کہا:

"باری تعالیٰ! میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں کہیں بلکہ اپنی والدہ محترمہ کی تسکین اور اطمینان کے لیے کہی ہیں"---

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دعا دی اور فرمایا:

"بیٹے! تم اللہ کی راہ میں جان دو، میں ان شاء اللہ صابر و شاکر رہوں گی۔ اب آگے آؤ تاکہ میں آخری بار تمہیں پیار کروں"---

عبداللہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، نابینا اور ضعیف العمر ماں نے اپنے لختِ جگر کو گلے لگا لیا، اتفاقاً ان کا ہاتھ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زرہ پر پڑ گیا۔ پوچھا:

"بیٹے! یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟"---

ابن زبیر: "اماں جان! زرہ ہے تاکہ دشمن کے حملوں سے بچاؤ ہو"---

حضرت اسماء نے فرمایا:

"بیٹے! اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو؟"---

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اِسی وقت زرہ اتار کر پھینک دی، سر پر سفید رومال باندھ لیا اور ماں سے کہا:

"اماں جان! اب میرے جسم پر معمولی لباس ہے"---

حضرت اسماء:

"بیٹا! اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ کے راستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ!"---

نواسۂ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قتل گاہ میں

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قمیص کے دامن اٹھا کر کمر سے باندھ لیے اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر رجز پڑھتے ہوئے رزم گاہ میں پہنچے۔ ان کے ساتھ گنتی کے چند فدا کار تھے، جن میں ان کا ایک صاحبزادہ ایک پہلو میں اور دوسرے پہلو میں ابن صفوان تھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ بہتر (۷۲) برس کے بوڑھے تھے لیکن ان کی شجاعت اور ہیبت شیر ببر کی سی تھی، کسی شامی کو ان کا مقابل ہونے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اب حجاج نے خود پیدل فوج کا ایک چیدہ دستہ لے کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے علم بردار کو گھیر لیا۔ ابن زبیر اپنے علم بردار کو شامیوں کے نرغے سے نکال کر مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی شامیوں نے ان کے علم بردار کو پھر گھیر لیا اور علم چھین کر قتل کر ڈالا۔ ابن زبیر نماز سے فارغ ہوئے تو ایک قریشی نے عرض کیا:

"آپ اجازت دیں تو میں کعبہ کا دروازہ کھول دوں تا کہ آپ اس میں داخل ہو جائیں اور دشمن کی زد سے محفوظ ہو جائیں؟"---

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"ایسی حالت میں مجھ سے بڑھ کر ذلیل انسان کون ہو گا جس نے پہلے اپنے ساتھیوں کو قتل ہونے کے لیے دشمن کے سامنے کر دیا اور اب موت سے بھاگ نکلا اور پھر شامیوں نے پہلے کعبہ کا احترام کب کیا ہے، جواب کریں گے؟"---

اسی اثناء میں شامی فوجیں ہجوم کر کے مسجد حرام تک آ پہنچی تھیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اب صرف دو فدا کار تھے، لیکن وہ حیرت انگیز پامردی اور چابک دستی سے لڑ رہے تھے، ظہر کے وقت تک وہ بیسیوں شامیوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ خون زیادہ نکل جانے کی وجہ سے اب قوتِ مدافعت جواب دیتی جا رہی تھی، اسی حالت میں شامیوں نے نرغہ کر کے ان پر تلواروں کا مینہ برسا دیا اور

ہجرت کے بعد اسلام کا نومولودِ اول، حواریٔ رسول اور ذات النطاقین کا فرزند اور اپنے وقت کا جری اور شجاع ترین انسان جام شہادت پی کر ہمیشہ کے لیے دنیا کی نظروں سے روپوش ہو گیا، ان کے دو ساتھی بھی ان پر فدا ہو گئے۔ شامیوں نے فوراً ابن زبیر ﷺ کا سر کاٹ لیا اور حجاج کو ان کی شہادت کی خوش خبری سنائی۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۷۳ ہجری میں سہ شنبہ کے دن پیش آیا۔ صحیح تاریخ کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہے۔ [حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۳۲۹ پر شہادت کی تاریخ ۱۷ رجمادی الاوّل ۷۳ھ تحریر کی ہے۔ (محبؔ)]

ابن زبیر ﷺ کا سر دمشق میں عبدالملک کے پاس بھجوا دیا گیا اور جسم مقام حجون میں سولی پر الٹا لٹکا دیا گیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حجاج کی حرکت کا علم ہوا تو انھوں نے اسے پیغام بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے، تو نے میرے لختِ جگر کی لاش کو دار پر کیوں لٹکایا؟ حجاج نے جواب میں کہلا بھیجا، میں لوگوں کو ابن زبیر کے انجام سے عبرت دلانا چاہتا ہوں۔

حضرت اسماء نے پھر اس سے کہلا بھیجا کہ میرے بچے کی لاش میرے حوالے کر دو تاکہ میں اس کی تجہیز و تکفین کر سکوں، مگر حجاج نے اس بار بھی صاف انکار کر دیا۔

حضرت اسماء، جب حجاج بن یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئیں اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے لختِ جگر کی لاش ان کے حوالے نہیں کرے گا تو انھوں نے کسی ذریعہ سے عبدالملک کو دمشق پیغام بھجوایا۔ عبدالملک نے اسی وقت حجاج کو ایک غضب آلود خط لکھا، جس پر اس کی حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ابن زبیر ﷺ کی لاش فوراً حضرت اسماء کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ عبدالملک کا حکم پہنچنے پر حجاج نے ابن زبیر ﷺ کی لاش حضرت اسماء کے حوالے کر دی۔

قریب قریب سبھی اربابِ تاریخ و سیر نے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ کے زہد و اتقا، شجاعت، حق گوئی و بے باکی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ ان کا یہی زہد و اتقا اور دوسرے اوصاف تھے جن کو دیکھ کر عامۃ المسلمین نے ملوکیت کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لیے انھیں منتخب کیا۔

ابن زبیر ﷺ نے سریر آرائے خلافت ہو کر جو کام سرانجام دیے ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ عامۃ المسلمین کا انتخاب بالکل جائز اور درست تھا۔ انھوں نے اپنے زہد و تقویٰ کو اپنی ذات تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اپنے دورِ خلافت کو خلافتِ راشدہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور احیائے سنت کے لیے کسی سعی سے دریغ نہ کیا۔ اتباعِ سنت میں وہ جس قدر شدت برتتے تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ اور ان کے بھائی عمرو بن زبیر ﷺ کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا، دونوں نے اپنا جھگڑا چکانے کے لیے حضرت سعید ﷺ بن

عاص کو حَکَم بنایا، دونوں حضرات حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن عاص کے پاس پہنچے تو انھوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے پیش نظر ان کو اپنے برابر مسند پر بٹھانا چاہا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں ہرگز آپ کے ساتھ نہیں بیٹھوں گا کیوں کہ یہ سنت نبوی کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں منصف کے سامنے برابر بٹھائے جائیں۔ چناں چہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئے۔

بنوامیہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بادشاہوں کی طرح بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے جب کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاں اس طرح کا کوئی معاملہ نہ تھا بلکہ وہ بیت المال کے خرچ کرنے میں خلفاء کی راہ پر گامزن رہے۔ وہ اس بات کو مطلق جائز نہیں سمجھتے تھے کہ بیت المال سے کوئی چیز کسی غیر مستحق کو دی جائے۔ ان کی یہ احتیاط اور کفایت شعاری بعد میں ان کے لیے کئی مصائب کا باعث ہوئی۔ عمال کے انتخاب میں زہد وتقویٰ کو اہمیت دیتے۔ اگر وہ ملکی عہدوں کو سیاسی رشتوں اور جوڑ توڑ کے لیے استعمال کرتے تو آج بنی امیہ کی تاریخ کا نام ونشان بھی نہ ملتا۔ عمال کی پوری طرح نگرانی کرتے تھے، شکایت پر فوری تحقیقات کراتے، درست ہونے پر شکایت کی نوعیت کے مطابق اس کا تدارک کرتے۔ عدلیہ اور انتظامیہ کو ایک دوسرے سے جدا رکھا اور اپنے قضاۃ کو ہدایت کی کہ وہ اپنے فیصلوں کی بنیاد ہمیشہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر رکھیں اور اس معاملہ میں ہرگز کسی کی رورعایت نہ کریں۔

تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ گول درہم ڈھلوائے۔ درہم کے ایک طرف **''محمد رسول اللّٰہ''** اور دوسری طرف **''امر اللّٰہ بالوفاء و العدل''** کے نقش بنوائے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حلیہ اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہت ملتا جلتا تھا۔ نہایت بارعب شخصیت تھی، جسمانی لحاظ سے بہت طاقت ور اور دونوں ہاتھوں میں تلواریں پکڑ کر بے دریغ چلا سکتے تھے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں عمر بن قیس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

> ''جب میں عبداللہ بن زبیر کو دنیا کا کوئی کام کرتے دیکھتا تھا تو میں یہ سمجھتا تھا کہ ان کو کبھی خدا یاد نہ آتا ہوگا اور جب دین کا کوئی کام کرتے ہوئے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ ان کو کبھی پلک جھپکنے جتنی دیر کے لیے بھی دنیا کا خیال نہ آتا ہوگا''---

ایک ایسے دور میں جب ملوکیت نہایت تیزی سے خلافت راشدہ کی جگہ لے رہی تھی، دینی اور اخلاقی اقدار پامال ہو رہی تھیں، سرزمینِ کربلا، آلِ رسول کے خون کے چھڑکاؤ سے سرخ ہو چکی تھی، بنوامیہ کے قاہر حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں کے دردمند طبقے کی قیادت سنبھالنا کوئی

آسان کام نہ تھا۔ یہ تو شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا تھا۔ اس مقصد کے لیے سر سے کفن باندھ کر ہی میدان میں اترا جا سکتا تھا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نہ تو سلطان تھے اور نہ صاحب طبل و علم، ان کی سب سے بڑی متاع ان کی گزشتہ بے داغ زندگی اور دین حق سے والہانہ محبت تھی۔ خلافت سے قبل اور خلافت کے بعد زندگی کے ہر دور میں انھوں نے اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھا، جو موقف پہلے دن حق سمجھ کر اختیار کیا آخر دم تک اس پر ڈٹے رہے، نہ کوئی ترغیب و تحریص ان کو اپنی راہ سے ہٹا سکی اور نہ دشمن کی زبردست قوت اور نا مساعد حالات ان کو مرعوب کر سکے، ان کی جرأت، بے خوفی، شجاعت، استقامت اور حق پسندی دیکھ کر لامحالہ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی حق پسند مسلمانوں کی قیادت کے سزاوار تھے اور کثیر التعداد صلحائے امت سمیت عامۃ المسلمین نے اگر اپنے ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دیے تو کچھ بے جا نہیں کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اکثر لوگوں نے بعد کے حالات میں ناسازگاری کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور آخری دم تک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا۔ اگر ان کو اپنے جیسے چند ہزار بلکہ چند سو مستقل مزاج اور جری رفقا مل جاتے تو آج مسلمانوں کی تاریخ یقیناً کسی اور انداز سے لکھی جاتی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب نے جان لیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بعد بنو امیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہی کا کام تھا۔ ان کے بعد کسی میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ اموی اقتدار کے سیلاب کے آگے بند باندھ سکتا۔ جس جدوجہد کا آغاز سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا سے کیا تھا اس کا اختتام حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ہی امت مسلمہ پر صدیوں پر محیط آمریت چھا گئی اور اب تک امت شورائیت کے اس نظام کی منتظر ہے جو فاران کی وادیوں سے طلوع ہوا تھا۔

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

۱) سیرت عبداللہ بن زبیر رض، طالب الہاشمی
۲) تاریخ الامم والملوک، طبری
۳) تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی
۴) تاریخ الکامل، علامہ ابن اثیر
۵) تاریخ اسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی
۶) تاریخ اسلام، معین احمد ندوی

[بشکریہ ماہنامہ میثاق، لاہور]

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سیدنا امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے، محبوب نواسے اور عظیم فضیلتوں کے حامل ہیں--- حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر محرم الحرام کی محافل ومجالس میں بڑی کثرت سے ہوتا ہے لیکن حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا ذکر ضمنی طور پر ہی کیا جاتا ہے--- حد یہ کہ اہل تشیع انھیں بارہ اماموں میں مستقل امام تسلیم کرنے کے باوجود ان کا ذکر محض ''برائے وزنِ بیت'' ہی کرتے ہیں--- مگر ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے--- ہمیں تو حلقہ اہل سنت پر تعجب ہے کہ وہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی جامع الصفات شخصیت کا مستقل اور بطور خاص تذکرہ کیوں ضروری نہیں سمجھتے---

امام مظلوم حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ امامت، سیادت، قیادت، تصوف وروحانیت اور گوناگوں محامد ومحاسن اور فضائل وخصائل میں اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم، اپنی والدہ ماجدہ اور اپنے والد گرامی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی گراں قدر امانتوں کے امین اور مقتدا و محبوب شخصیت ہیں--- تاریخ وصال (۵ ربیع الاوّل ۴۹ ھ) کی مناسبت سے ربیع الاوّل کے شمارے میں آپ کا ذکر خیر شامل کیا جارہا ہے--- خود پڑھیے، دوسروں کو پڑھائیے اور گاہے گاہے اسے بیان کرتے رہیے--- خطباء حضرات کے لیے بطور تجویز عرض ہے کہ وہ صفر المظفر کا آخری جمعہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی سیرت وسوانح کے بیان کے لیے مختص کردیں---

حسنِ مجتبیٰ ، سیدُ الاسخیاء
راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام
شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام
[اعلیٰ حضرت]

ولادت

حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے محبوب نواسے، حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بڑے صاحب زادے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ۱۵ر رمضان المبارک ۳ھ کو ہوئی --- رسول اللہ ﷺ نے کانوں میں اذان دی [۱]، اذان کی کیفیت حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے ملتی ہے:

فَاَذَّنَ فِیْ اُذُنِہٖ الْیُمْنٰی وَ اَقَامَ فِی الْیُسْرٰی --- [۲]

''حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت (تکبیر) کہی'' ---

حضور ﷺ نے اپنے لعاب دہن کی گھٹی ڈالی اور حسن نام رکھا [۳] اور حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہدایت فرمائی:

''اس بچے کا خیال رکھنا، جب روئے تو دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں

تکبیر کہہ دینا، جس بچے کے کانوں میں یہ کلمات کہہ دیے جائیں، وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے"---[۴]

عقیقہ

حضور ﷺ نے ساتویں دن دو چھترے ذبح کر کے ان کا عقیقہ کیا اور سر مونڈ کر بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا---[۵]

ان کے بال ایک درہم سے کچھ زیادہ وزنی تھے[۶] (درہم 3.06 گرام کے برابر ہوتا ہے)---

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کا ختنہ ساتویں روز عقیقہ کے موقع پر ہوا تھا[۷] اور نام بھی ساتویں روز رکھا گیا تھا، جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

سَمَّی حَسَنًا وَ حُسَیْنًا یومَ سَابعهما---[۸]

"حضور ﷺ نے امام حسن اور امام حسین کے نام ان کی ولادت کے ساتویں روز رکھے"---

نام، کنیت، القاب

آپ کا نام حسن، کنیت ابو محمد اور ابو عمرو ہے[۹]، جب کہ تقی، نقی، زکی، ریحانۃ الرسول، سبط اکبر، مجتبیٰ، شبیہ مصطفیٰ اور سید آپ کے القاب ہیں---سید کے لقب سے خود حضور ﷺ نے یاد فرمایا---

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے---آپ نے ایک بار مجمع کی طرف اور ایک بار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، پھر فرمایا:

اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ---[۱۰]

"میرا یہ بیٹا سید ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا"---

شبیہ مصطفیٰ

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل تھے---حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ اَشْبَھَھُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ---[۱۱]

''حضرت حسن بن علی حسن و جمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے''---

امام بخاری حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے باہر نکلے تو آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے پایا، آپ نے انہیں اپنے کاندھے پر اٹھالیا اور کہا:

بِـــاَبِـــیْ شَبِیْـــہٌ بِـــالـــنَّبِـــیْ

لَیْـــسَ شَبِیْھًـــا بِـــعَـــلِـــیْ

''میرے ماں باپ فدا ہوں، یہ تو ہو بہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہیں، علی کے مشابہ نہیں ہیں''---

وَ عَلِیٌّ یَضْحَکُ---

''یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا رہے تھے''---[۱۲]

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ، ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں:

کَانَتْ فَاطِمَۃُ تَنقُزُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ وَ تَقُوْلُ:

بِاَبِی شبہ النَّبِی لَیْسَ شَبِیْھا لِعَلِی---[۱۳]

''حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے لخت جگر سیدنا حسن بن علی کو اچھالتی تھیں اور فرماتی تھیں:

میرے ماں باپ فدا، یہ (حسن) تو ہو بہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے، علی کے مشابہ نہیں ہے''---

صحابہ کرام ان کی زیارت کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو جاتی تھی---حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَمَا رَاَیْتُ الْحَسَنَ اِلَّا دَمِعَتْ عَیْنِی---[۱۴]

"حضرت حسن کو دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں"---

محبوبِ محبوبِ خدا

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت فرماتے، ان کے رخسار ولب چومتے، زبان چوستے، گود میں کھلاتے اور سینہ اور پشت پر بٹھاتے---کبھی یوں بھی ہوتا کہ نماز پڑھتے تو سجدہ کی حالت میں یہ آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے، تو ان کی خاطر سجدہ دراز فرما دیتے اور کبھی اپنے پاس منبر پر بٹھا لیتے---[۱۵]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا، ایک صاحب نے دیکھ کر کہا:

نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یَا غُلَامُ---

"بیٹے! تمہاری سواری کتنی اچھی ہے"---

حضور ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَ الرَّاکِبُ ھُوَ---[۱۶]

"سوار بھی تو بہترین ہے"---

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا، کیا یہاں ننھا ہے؟ کیا یہاں چھوٹا بچہ ہے؟---

ہمارا گمان یہ تھا کہ ان کی والدہ نے انہیں غسل کرانے اور ہار پہنانے کے لیے روک رکھا ہے---تھوڑی دیر گزری کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ ﷺ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں اور دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَ اَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ---[۱۷]

"اے اللہ! میں حسن سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما اور اس سے

محبت کرنے والوں سے بھی محبت فرما"---

حسن (رضی اللہ عنہ) مجھ سے ہیں

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحسنُ مِنِّیْ وَ الْحُسینُ مِنْ عِلِی---[۱۸]

"حسن مجھ سے ہیں اور حسین علی سے ہیں"---

ذہبی نے "اسنادہٗ قوِی" کہہ کر اس حدیث کی توثیق کی ہے---[۱۹]

سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی نگاہ میں

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی--- حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَ قَدْ كَانَ الصِّدِّيْقُ يُجِلُّهٗ وَ يُعَظِّمُهٗ وَ يُكْرِمُهٗ وَ يُحِبُّهٗ وَ يَتفَدَّاهُ وَ كَذٰلِکَ عُمرُ بْنُ الْخَطَّابِ---[۲۰]

"سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی تکریم و تعظیم بجالاتے، ان سے محبت کرتے اور ان پر فدا ہوتے تھے، یوں ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آپ کی تعظیم و محبت کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے"---

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی نظر میں اپنے صاحب زادے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا بہت مقام و مرتبہ تھا، حافظ ابن کثیر تحریر کرتے ہیں:

وَ كَانَ عَلِیٌّ يُكْرِمُ الْحَسَنَ اِكْرَامًا زَائِدًا وَ يُعَظِّمُهٗ وَ يُبَجِّلُهٗ---[۲۱]

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، امام حسن رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ عزت اور تکریم و تعظیم کرتے"---

بیعت

حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ابھی بچے ہی تھے کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تبرکاً بیعت فرما

لیا تھا---حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَایَعَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَیْنَ وَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ وَ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ جَعْفَرٍ وَ ھُمْ صِغَارٌ لَمْ یَبْلُغُوْا قَالَ: وَ لَمْ یُبَایِعْ صَغِیْرًا اِلَّا مِنَّا---[۲۲]

"حضور ﷺ نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہم) کو صغر سنی میں بیعت فرمالیا تھا اور یہ بیعت بطور تبرک و تیمن تھی"---

اس بیعت کی تاثیر و برکت ان جلیل القدر حضرات کی سوانح میں نمایاں نظر آتی ہے---

عبادت و ریاضت

سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نہایت عابد و زاہد اور متقی و پرہیز گار تھے اور کیوں نہ ایسے ہوتے جب کہ ان کے کانوں میں شروع سے ہی تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی صدائیں گونجتی رہیں---جن کی نگاہوں کے سامنے اپنے نانا جان ﷺ کی عبادت و ریاضت، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا زہد و اتقاء اور سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شب بیداریوں کے حسین مناظر تھے---

حافظ ابن کثیر، سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی عبادت کے معمولات کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ کا معمول یہ تھا کہ مسجد نبوی میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد مصلیٰ پر بیٹھے رہتے اور سورج طلوع ہونے تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے، پھر ملاقات کے لیے آنے والے معززین سے گفتگو فرمانے کے بعد امہات المومنین کے گھروں میں جاتے اور انہیں سلام کرتے، بعض اوقات امہات المؤمنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) آپ کو تحفہ بھی دیتیں، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے جاتے[۲۳] حافظ ابن عساکر تحریر کرتے ہیں کہ شام کے وقت بھی آپ کے یہی معمولات تھے---[۲۴]

حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے پچیس بار پیدل حج کیے، حالاں کہ عمدہ اونٹوں کی آپ کے پاس کمی نہ تھی---آپ فرماتے:

مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اس سے ملاقات کے لیے اس کے گھر سوار ہو کر جاؤں[۲۵] روزانہ سونے سے پہلے سورۂ کہف کی تلاوت کیا کرتے---[۲۶]

خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ جب وضو کرتے تو رنگت تبدیل ہو جاتی، آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا:

حَقٌّ عَلٰی مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّدْخُلَ عَلٰی ذِی الْعَرْشِ اَنْ یَّتَغَیَّرَ لَوْنُہٗ---[۲۷]

''جو شخص مالکِ عرش، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا ارادہ کرے، اس کا یہی حال ہونا چاہیے کہ خوفِ خدا سے اس کا رنگ اڑ جائے''---

خدمتِ خلق

آپ ﷛ مخلوقِ خدا کی خدمت و دستگیری کو بھی عبادت تصور کرتے تھے---حضرت سیدنا امام زین العابدین ﷛ بیان کرتے ہیں:

ایک بار حضرت امام حسن مجتبیٰ ﷛ طواف کعبہ کر رہے تھے، ایک ضرورت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، مجھے فلاں شخص سے کام ہے، میرے ساتھ تشریف لے چلیں---آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ چل دیے---اس پر ایک حاسد نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

میں طواف ترک کر کے اس شخص کے ساتھ اس لیے گیا ہوں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد آ گئی تھی---رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ ذَھَبَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ قُضِیَتْ حَاجَتُہٗ کُتِبَتْ لَہٗ حَجَّۃٌ وَ عُمْرَۃٌ وَ اِنْ لَّمْ تُقْضَ لَہٗ کُتِبَتْ لَہٗ عُمْرَۃٌ---

''جو شخص کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لیے جائے اور اس کی حاجت پوری ہو جائے تو اس کے لیے حج و عمرہ کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے اور اگر بالفرض اس کی حاجت پوری نہ ہو سکی تو بھی اس کو عمرہ کا ثواب مل جائے گا''---

حضرت سیدنا امام حسن ﷛ نے فرمایا:

''میں نے حج اور عمرہ دونوں کا ثواب حاصل کر لیا ہے، رہا طواف تو وہ اب پورا کر لوں گا''---[۲۸]

اسی طرح ایک بار ایک ضرورت مند مدد لینے کے لیے حضرت امام حسین ﷛ کے پاس حاضر ہوا، آپ نے حالتِ اعتکاف میں ہونے کی وجہ سے معذرت چاہی---اس شخص نے حضرت امام حسن ﷛ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی---آپ نے اس کی حاجت پوری کر دی اور فرمایا:

لَقَضَاءُ اَخٍ لِّیْ فِی اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنِ اعْتِکَافِ شَھْرٍ---[۲۹]

"میرے نزدیک کسی دینی بھائی کی حاجت براری، ایک ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے"---

تحمل و بردباری

آپ ﷺ بڑے رحیم، منکسر، متواضع، بردبار اور متحمل مزاج تھے---رزین بن سوار کہتے ہیں:

ایک مرتبہ مروان آپ سے جھگڑنے لگا اور سخت برا بھلا کہا--- آپ ﷺ (کمال تحمل سے) خاموش رہے۔ اسی اثنا میں مروان نے دہنے ہاتھ سے ناک صاف کی تو آپ نے فرمایا:

افسوس! تجھے اتنا بھی معلوم نہیں کہ دایاں ہاتھ اس کام کے لیے مناسب نہیں---

یہ سن کر مروان خاموش ہو گیا---[۳۰]

آپ نے حق گوئی سے کام لیتے ہوئے غلط بات پر ٹوکا، مگر اپنے معاملہ میں صبر سے کام لیا---

جب آپ ﷺ کا وصال ہوا، جنازہ کے وقت مروان رونے لگا--- حضرت سیدنا امام حسین ﷺ نے فرمایا:

زندگی میں تو تُو ان سے جھگڑتا رہا، اب کیوں روتا ہے؟---اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

میں نے آپ کو اس سے بھی زیادہ حلیم پایا---[۳۱]

محمد بن اسحاق کہتے ہیں:

آپ کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سنا--- ایک مرتبہ عمر بن عثمان کے ساتھ جھگڑا ہوا تو صرف یہ کہا:

رَغِمَ اَنْفُهٗ---[۳۲]

"اس کی ناک گرد آلود ہو"---

(یہ کلمہ اہل عرب کے عام معمول کی گفتگو کا حصہ ہے)---

حضرت سیدنا داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

ایک بار دیہات سے ایک اعرابی آیا، اس وقت حضرت سیدنا امام حسن ﷺ کوفہ میں اپنے مکان کے دروازے کے پاس تشریف فرما تھے، اس نے چھوٹتے ہی آپ کو گالیاں دینا شروع کر دیں

اور اتنا بڑھا کہ آپ کے آباء واجداد کی شان میں بھی بکنے لگا--- آپ نے نہایت متانت سے فرمایا:

تم بھوکے ہو تو کھانا منگوایا جائے، اگر پیاسے ہو تو پانی لایا جائے، بتاؤ تو سہی، آخر تمھیں تکلیف کیا ہے؟---

اعرابی نے جواب میں اور سخت کلام شروع کر دی اور بکنے لگا، تم ایسے، تمھاری والدہ ایسی، تمھارے باپ ایسے--- امام حسن نے خادم کو اندر سے دیناروں کی تھیلی لانے کا حکم دیا، تھیلی لائی گئی تو آپ نے اعرابی کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا، بھائی معاف کرو، اس وقت گھر میں یہی کچھ تھا---

اعرابی نے یہ حسن سلوک دیکھا تو پکار اٹھا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی رسول اللہ ﷺ کے فرزند ہیں--- میں آپ کی بردباری اور حوصلے کی آزمائش کی خاطر حاضر ہوا تھا--- [۳۳]

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز اس واقعہ کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ صفت محقق اولیاء ومشائخ کی ہے کہ ان کے ہاں مخلوق خدا کی تعریف وتنقیص یکساں ہوتی ہے اور کسی کی بدکلامی کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا--- [۳۴]

جود وسخا

آپ رضی اللہ عنہ بڑے جواد، کریم اور سخی تھے--- ایک بار ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے دیکھا، وہ اللہ تعالیٰ سے دس ہزار درہم مانگ رہا تھا، آپ نے گھر جا کر اسے مطلوبہ رقم بھجوادی--- [۳۵]

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے کچھ مانگا، آپ نے اسے پچاس ہزار درہم اور پانچ سو دینار عطا کیے اور فرمایا:

کسی مزدور کو بلا لاؤ تا کہ وہ یہ اٹھالے جائے--- وہ شخص مزدور کو لایا تو آپ نے اپنی چادر اتار کر اسے دی اور فرمایا:

مزدور کی اجرت بھی میری طرف سے ہوگی--- [۳۶]

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے ایک احاطہ کے پاس سے گزرے--- ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا، وہ اس طرح روٹی کھا رہا تھا کہ ایک لقمہ خود کھاتا اور ایک کتے کو کھلاتا--- آپ نے پوچھا، تو ایسا کیوں کر رہا ہے؟--- اس نے عرض کی، مجھے شرم آتی ہے کہ خود کھاؤں اور پاس بیٹھے ہوئے کتے کو نہ کھلاؤں--- آپ نے فرمایا، میری واپسی تک یہیں ٹھہرنا--- آپ اس کے مالک کے پاس گئے

اور اس سے غلام اور وہ احاطہ خرید لیا اور واپس آ کر اس غلام کو آزاد کر کے احاطہ اسے ہبہ کر دیا---[۳۷]

آپ رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ اپنا تمام مال اور تین مرتبہ اپنا آدھا آدھا مال اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے رستے میں صدقہ کیا---[۳۸]

بسا اوقات آپ سائل کو ایک لاکھ کا عطیہ عنایت فرما دیتے---کسی سے کوئی احاطہ یا باغ خریدتے اور بعد میں کبھی بیچنے والا غربت کا شکار ہو جاتا تو اسے وہ باغ یا احاطہ واپس دے دیتے اور اس کے ساتھ اپنی طرف سے اس کی قیمت بھی عطا فرما دیتے:

وَ مَا قَالَ قَطُّ لِسَائِلٍ لا---[۳۹]

''آپ نے سائل کو کبھی ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا''---

ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا، کیا وجہ ہے، آپ اگر فاقہ میں بھی ہوں تو سائل کو کبھی خالی نہیں لوٹاتے---آپ نے فرمایا:

''میں بھی اپنے رب کا ایک سوالی ہوں، مجھے حیا آتی ہے کہ ایک سائل کسی دوسرے سائل کو خالی واپس کر دے''---[۴۰]

دفع افلاس وفراخی رزق کی دعا

آپ رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی آتا راہ خدا میں لٹا دیتے، اس سخاوت اور صدقہ و خیرات کی وجہ سے بعض دفعہ ہاتھ تنگ ہو جاتا---ایک بار ایسا ہی معاملہ درپیش ہوا---حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم سالانہ وظیفہ بھیجا کرتے تھے، وہ بھی نہ ملا---آپ نے یاددہانی کے لیے خط لکھنا چاہا، مگر پھر رک گئے---رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا، حسن کیا حال ہے؟---آپ رضی اللہ عنہ نے تنگ دستی کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو نے اپنے ہی جیسی مخلوق سے مدد مانگنے کے لیے خط تحریر کرنے کا ارادہ کیا، تمھیں بارگاہ الٰہی سے مانگنا چاہیے تھا، یہ دعا پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَکَ وَ اقْطَعْ رَجَائِیْ عَمَّنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَیْرَکَ اَللّٰهُمَّ وَ مَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِیْ وَ قَصُرَ عَنْهُ عَمَلِیْ وَ لَمْ تَنْتَهِ اِلَیْهِ رَغْبَتِیْ وَ لَمْ تَبْلُغْهُ مَسْئَلَتِیْ وَ لَمْ یَجْرِ عَلٰی لِسَانِیْ مِمَّا اَعْطَیْتَ اَحَدًا مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ مِنَ الْیَقِیْنِ فَخُصَّنِیْ بِهٖ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ---

(حضرت علامہ مفتی محمد اکبر بہاول نگری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت سیدی فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز اس دعا کے ساتھ درج ذیل درود پاک کے اضافہ کی تاکید فرماتے:

وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ)---

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دعا کا یہ ورد شروع کیا، ابھی ہفتہ ہی گزرا تھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (ایک لاکھ کے بجائے) پندرہ لاکھ درہم بھجوا دیے--- آپ رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ وہ کریم (جل جلالہ) دعا کرنے والوں کو مایوس نہیں کرتا---

خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر زیارت ہوئی، پوچھا، اب کیا حال ہے؟---

عرض کی: اچھا ہے--- آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بیٹا! جو شخص اپنے خالق سے مانگتا ہے اور مخلوق سے امید نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ اس پر ایسا ہی فضل فرماتا ہے''---[۴۱]

علم و فضل

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ مجسمۂ علم و فضل تھے---عمر بھر احادیث مبارکہ سیکھنے اور ان کی نشر و اشاعت میں کوشاں رہے--- آپ نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں، جن میں بعض صغر سنی کے باوجود یاد رہ گئیں---ابو الحوراء بیان کرتے ہیں، میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی حدیث یاد بھی ہے؟---تو آپ نے فرمایا:

مجھے یاد ہے کہ ایک بار صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی تھی، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے منہ سے نکال دیا تھا---پوچھا گیا: یارسول اللہ! اس کھجور میں کیا حرج تھا؟---فرمایا:

اِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ---[۴۲]

''ہم آل محمد ہیں، ہمارے لیے صدقہ جائز نہیں ہے''---

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ آپ نے اپنے والد حضرت علی، بھائی امام حسین اور ماموں ہند بن ابی ہالہ سے احادیث روایت کیں، جب کہ آپ سے روایت کرنے والوں کے نام یہ ہیں:

آپ کے صاحب زادے حسن (مثنیٰ)، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ، امام زین العابدین، ان کے صاحب زادے عبداللہ اور امام باقر، عکرمہ، ابن سیرین، جبیر بن نفیر، ابوالحوراء، ربیعہ بن شیبان اور ابومجلز وغیرہ---[۴۳]

آپ اپنی اور اپنے بھائی کی اولاد کو حصول تعلیم کے بارے میں بڑی تاکید کرتے اور فرماتے:

تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُوْا حِفظَه فَاکْتُبُوْهُ وَضَعُوْهُ فِی بُیُوْتِکُمْ---[۴۴]

''علم سیکھو، یاد رکھنے کی طاقت نہ ہو تو لکھ کر محفوظ کرلیا کرو''---

جامعیت

آپ جامع کمالات اور صاحب اوصاف حمیدہ تھے---ذہبی لکھتے ہیں:

وَ قَدْ کَانَ هٰذَا الْاِمَامُ سَیِّدًا وَسِیْمًا جَمِیْلاً عَاقِلاً رَزِیْنًا جَوَادًا مُمَدَّحًا خَیْرًا دَیِّنًا وَرِعًا مُحْتَشَمًا کَبِیْرَ الشَّان---[۴۵]

''امام حسن سید (سردار)، حسین و جمیل، دانا، متین، صاحب جود و کرم، ممدوح، کریم، دین کے شیدائی، صاحب تقویٰ و ورع، عزت و حشمت اور بڑی شان و شوکت والے تھے''---

کرامت

آپ کا وجود با جود سراپا کرامت تھا، شرف حسب و نسب کے ساتھ ساتھ گوناگوں اوصاف حمیدہ سے متصف اور شریعت مطہرہ کے عامل تھے---یہ وہ خوبیاں ہیں جو کرامت سے بڑھ کر کرامت ہیں---

عام طور پر خرق عادت امور کو کرامت سمجھا جاتا ہے، اس پہلو سے بھی منفرد مقام رکھتے ہیں، بطور نمونہ ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے---علامہ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ آپ کا گزر کھجوروں کے ایک ایسے باغ سے ہوا، جس کے تمام درخت خشک ہو چکے تھے---آپ نے وہاں قیام فرمایا---ابن زبیر نے کہا:

''کاش! اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں، جنھیں ہم کھاتے''---

حضرت سیدنا امام حسن ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور زیر لب کچھ پڑھا، فوراً کھجور کا ایک درخت تر و تازہ اور بار آور ہو گیا اور اس پر تازہ کھجوریں لگ گئیں --- ان کا ساتھی شتر بان بولا:

واللہ! یہ جادو ہے ---

سیدنا امام حسن ﷺ نے فرمایا:

"یہ جادو نہیں بلکہ فرزند رسول کی مستجاب دعا کا اثر ہے" ---

اس کے بعد لوگوں نے کھجوروں کو توڑا اور سب نے خوب سیر ہو کر انھیں کھایا --- [۴۶]

خلافت

حضرت مولا علی ﷺ کے وصال کے بعد نوے ہزار افراد نے آپ کی بیعت کر لی --- چھ ماہ تک آپ خلیفہ رہے --- اس دوران کسی کا ایک قطرۂ خون بھی نہ بہا --- [۴۷]

پھر، امیر معاویہ نے شام سے ان پر لشکر کشی کی --- حضرت حسن ﷺ کی فوجیں بھی سامنے آئیں --- آپ نے سوچا، اس وقت تک کوئی فریق غالب نہیں آ سکتا جب تک کہ بہت سے مسلمانوں کا خون نہ بہے --- چناں چہ آپ نے امیر معاویہ کی طرف پیغام بھیجا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ امیر معاویہ کے بعد خلافت حضرت حسن ﷺ کے پاس آ جائے گی اور مدینہ، حجاز اور عراق والوں سے حضرت علی ﷺ کے زمانہ میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں امیر معاویہ کوئی باز پرس نہیں کریں گے ---

امیر معاویہ نے ان شرائط کو قبول کر لیا اور یوں حضور ﷺ کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

"میرا یہ بیٹا (حسن ﷺ) مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا" --- [۴۸]

حضرت سیدنا امام حسن، امیر معاویہ کے حق میں ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت سے دست بردار ہوئے --- [۴۹]

اس معاہدہ کے بعد آپ کوفہ سے منتقل ہو کر مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے --- بعض لوگوں نے اس فیصلہ پر طعنہ زنی کی، تو آپ نے فرمایا:

اِخْتَرْتُ ثَلَاثًا عَلٰى ثَلَاثٍ اَلْجَمَاعَةَ عَلَى الْفُرْقَةِ وَ حَقْنَ الدِّمَاءِ عَلٰى سَفْكِهَا وَ الْعَارَ عَلَى النَّارِ --- [۵۰]

''میں نے تین چیزوں پر تین چیزوں کو ترجیح دی ہے:
مسلمانوں کی جمعیت قائم رکھنے کو تفرقہ پر، امن کو خون ریزی پر اور عار (شرم ساری) کو نار پر''---

دوسری روایت میں ہے، لوگ کہتے:

یَا عَارَ الْمُؤْمِنِیْنَ---

''ایمان داروں کے لیے باعث ننگ و شرم''---

آپ جواباً فرماتے:

اَلْعَارُ خَیْرٌ مِّنَ النَّارِ---[۵۱]

''عار، نار سے بہتر ہے''---

خلافت سے دست برداری کا عمل محض رضائے الٰہی کے لیے تھا---خود فرماتے ہیں:

عربوں کی کھوپڑیاں میرے ہاتھوں میں تھیں، جس سے میں جنگ کرتا وہ جنگ کرتے اور جس سے میں صلح کرتا وہ صلح کرتے---میں نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور امت محمدیہ کی خوں ریزی ختم کرنے کے لیے خلافت سے علیحدگی اختیار کی ہے---اب دوبارہ (جنگ کی) آگ کو نہیں بھڑکانا چاہتا---[۵۲]

شہادت

شہادت سے کچھ عرصہ پہلے حضرت امام حسن ﷺ نے خواب دیکھا کہ ان کی پیشانی پر ﴿قل ھو اللہ احد﴾ مرقوم ہے---اس پر اہل بیت خوش ہوئے اور اس خواب کو پسندیدہ خیال کیا---یہ واقعہ سعید بن مسیب کو بتایا گیا تو انہوں نے کہا:

''اگر واقعی امام حسن ﷺ نے یہ خواب دیکھا ہے تو پھر ان کی عمر بہت کم رہ گئی ہے---چناں چہ چند روز کے بعد آپ کا وصال ہو گیا''---[۵۳]

آپ کی شہادت زہر کی وجہ سے ہوئی---عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی عیادت کے لیے حاضر ہوا---تو آپ نے فرمایا:

مجھے کئی بار زہر دیا گیا اور اس مرتبہ تو بہت سخت قسم کا زہر دیا گیا ہے---دوسرے دن پھر حاضر ہوا، حضرت امام حسین ﷺ آپ کے سرہانے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے پوچھا:

بھائی جان! آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟---فرمایا:
کیا تم اسے قتل کرو گے؟---کہا، ہاں---فرمایا:
''جس کے بارے میں میرا گمان ہے، اگر اس نے زہر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا ناحق خون بہے''---

آپ چالیس دن علیل رہنے کے بعد ۵ ربیع الاول ۴۹ھ یا ۵۰ھ کو شہید ہوئے---[۵۴]

تدفین

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی آرزو تھی کہ انہیں روضۂ رسول ﷺ میں دفن کیا جائے---آپ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت بھی لے لی تھی اور اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ وصال کے بعد دوبارہ ان سے اجازت لے لینا---ہاں اگر لوگوں میں فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر روضۂ انور میں تدفین پر اصرار نہ کرنا---

آپ کا وصال ہوا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تدفین کی (دوبارہ) اجازت چاہی تو آپ نے بہ طیب خاطر اجازت دے دی، مگر مروان آڑے آیا---چناں چہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا---[۵۵]

جنازہ کا اجتماع

جنازہ کے موقع پر جنت البقیع میں لوگوں کا جم غفیر تھا، ثعلبہ بن ابی مالک کہتے ہیں، میں اس اجتماع کثیر میں موجود تھا---مجمع کی کثرت کا یہ عالم تھا:

لَوْ طُرِحَتْ اِبرۃٌ مَا وَقَعَتْ اِلَّا عَلٰی اِنْسَان---[۵۶]

''اگر سوئی بھی پھینکی جاتی تو وہ زمین پر گرنے کے بجائے کسی انسان پر گرتی''---

اولاد امجاد

آپ کثیر الاولاد تھے، اس سلسلے میں مختلف روایات ہیں---ابن جوزی نے آپ کے صاحبزادوں کی تعداد پندرہ اور صاحبزادیوں کی تعداد آٹھ تحریر کی ہے[۵۷] شیخ محمد بن حسین

دیار بکری علیہ الرحمہ ابن الدراع کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ کے گیارہ صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تھی[۵۸]، ذہبی نے بارہ صاحب زادوں کے اسمائے گرامی ذکر کیے ہیں:

۱.....حضرت حسن (حسن مثنیٰ)
۲.....حضرت زید
۳.....حضرت طلحہ
۴.....حضرت قاسم
۵.....حضرت ابوبکر
۶.....حضرت عبداللہ

یہ چھ صاحبزادے اپنے چچا حضرت سیدنا امام حسین ﷺ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے---

۷.....حضرت عمرو
۸.....حضرت عبدالرحمٰن
۸.....حضرت احمد
۹.....حضرت حسین
۱۰.....حضرت محمد
۱۱.....حضرت یعقوب
۱۲.....حضرت اسماعیل

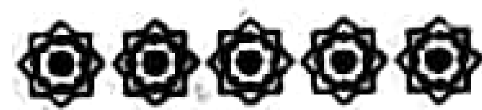
[۵۹]

حضرت امام حسن ﷺ کی اولاد میں سے صرف حضرت حسن مثنیٰ (وفات ۹۷ھ) اور حضرت زید (وفات ۱۲۰ھ) سے حسنی سادات کا سلسلہ دنیا میں باقی ہے---[۶۰]

یہ دونوں صاحب زادے جلیل القدر عالم دین اور سیرت و کردار میں اپنے والد ماجد ﷺ کے صحیح جانشین تھے---[۶۱]

حضرت حسن مثنیٰ ﷺ کی اولاد سے بڑے بلند پایہ اولیاء و علماء پیدا ہوئے---سید الاولیاء سیدنا غوث اعظم ﷺ کا شجرۂ نسب بھی آپ کے توسط سے حضرت امام حسن مجتبیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے---[۶۲]

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی جَدِّہٖ وَ عَلَیْہِ وَ بَارَکَ وَ سَلَّمَ



حوالہ جات

۱.....شیخ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن جوزی، ۵۹۷ھ، صفۃ الصفوۃ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، جلد ۱، صفحہ ۳۱۹

۲.....امام حسین بن محمد الدیار البکری، ۹۶۶ھ، تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس، بیروت، جلد ۱، صفحہ ۴۱۸

۳.....شیخ ابوالفداء حافظ ابن کثیر دمشقی، ۷۷۴ھ، البدایۃ و النھایۃ، مکتبۃ المعارف،

بیروت، جلد۸، صفحہ ۳۳

۴......علامہ مومن بن حسن بن مومن شبلنجی، ۱۲۵۰ھ، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار، مکتبہ جمہوریہ عربیہ، مصر، صفحہ ۱۱۹

۵......حافظ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، ۴۶۳ھ، کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، جلد۱، صفحہ ۱۳۹

۶...... نور الابصار، صفحہ ۱۱۹   ۷......ایضاً

۸...... تاریخ الخمیس، جلد۱، صفحہ ۴۱۸

۹...... کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جلد۱، صفحہ ۱۳۹

۱۰......امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، ۲۵۶ھ، صحیح البخاری، نور محمد اصح المطابع، کراچی، مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما، جلد۱، صفحہ ۵۳۰

۱۱......امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، ۳۶۰ھ، المعجم الکبیر، دارالتراث العربی، جلد۳، صفحہ ۲۴/ صحیح البخاری، باب مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما، جلد۱، صفحہ ۵۳۰

۱۲......صحیح بخاری، مناقب الحسن و الحسین، جلد۱، صفحہ ۵۳۰

۱۳......امام احمد بن حنبل، ۲۴۱ھ، مسند امام احمد بن حنبل، بیروت، جلد۶، صفحہ ۲۸۳

۱۴......حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی، ۷۴۸ھ، سیر اعلام النبلاء، دارالکتب العلمیہ، بیروت، جلد۴، صفحہ ۱۳۰

۱۵...... البدایہ و النہایہ، جلد۸، صفحہ ۳۳

۱۶......امام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی ترمذی، ۲۷۹ھ، جامع الترمذی، علیمی، دہلی، مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما، جلد۲، صفحہ ۲۱۹

۱۷......امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری، ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی، باب فضائل الحسن و الحسین، جلد۲، صفحہ ۲۸۲

۱۸......حافظ ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن حسین، ۵۷۱ھ، تاریخ دمشق الکبیر، داراحیاء التراث العربی، جلد۱۴، صفحہ ۵۲/ سیر اعلام النبلاء، جلد۴، صفحہ ۱۳۳

۱۹......سیر اعلام النبلاء، جلد۴، صفحہ ۱۳۳

۲۰...... البدایہ و النہایہ، جلد۸، صفحہ ۳۶   ۲۱......ایضاً صفحہ ۳۷

۲۲......تاریخ دمشق الکبیر، جلد۱۴، صفحہ ۱۸۲

۲۳...... البدایہ و النہایہ،جلد۸،صفحہ۳۷

۲۴......تاریخ دمشق الکبیر،جلد۱۴،صفحہ۱۷

۲۵......ایضاً

۲۶...... البدایہ و النہایہ،جلد۸،صفحہ۳۷/تاریخ دمشق الکبیر،جلد۱۴،صفحہ۱۷

۲۷......ابن خلکان،ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد،۶۸۱ھ،وفیات الاعیان،دارصادر، بیروت،جلد۲،صفحہ۶۹

۲۸......تاریخ دمشق الکبیر،جلد۱۴،صفحہ۷۶

۲۹...... البدایہ و النہایہ،جلد۸،صفحہ۳۸ ۳۰......ایضاً،صفحہ۳۹

۳۱......ایضاً،صفحہ۳۸ ۳۲......ایضاً،صفحہ۸-۳۹

۳۳......داتا گنج بخش،شیخ ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری،۴۷۰ھ،کشف المحجوب، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان،اسلام آباد،صفحہ۳-۶۲

۳۴......ایضاً،صفحہ۶۳ ۳۵......سیر اعلام النبلاء،جلد۴،صفحہ۱۳۴

۳۶......استاذ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری،۴۶۵ھ،رسالہ قشیریہ مصطفیٰ البابی،مصر،صفحہ۱۲۵

۳۷......البدایہ و النہایہ،جلد۸،صفحہ۳۸

۳۸......حافظ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی،۴۳۰ھ،حلیۃ الاولیاء،دارالکتاب العربی،بیروت،جلد۲،صفحہ۳۸/تاریخ دمشق الکبیر،جلد۱۴،صفحہ۲۷

۳۹......امام عبدالوہاب شعرانی،۹۷۳ھ،طبقات کبریٰ للشعرانی،مصر،جلد۱،صفحہ۲۳

۴۰......نور الابصار،صفحہ۲-۱۲۳

۴۱......حافظ امام جلال الدین السیوطی،۹۱۱ھ،تاریخ الخلفاء،میر محمد کتب خانہ،کراچی،صفحہ۱۹۳

۴۲......علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی،۶۳۰ھ، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، مکتبہ اسلامیہ،تہران،جلد۲،صفحہ۱۱

۴۳......حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی،۸۵۲ھ، الاصابہ فی تمییز الصحابۃ،تجاریہ کبریٰ،مصر،جلد۱،صفحہ۳۲۸

۴۴...... طبقات کبریٰ للشعرانی،جلد۱،صفحہ۲۳

۴۵......سیر اعلام النبلاء،جلد۴،صفحہ۱۳۱

۴۶......مولانا عبدالرحمٰن جامی،۸۹۸ھ،شواہد النبوۃ،عمدۃ المطابع،دہلی،صفحہ۴-۲۹۳

۴۷...... البدایہ و النھایہ، جلد۸، صفحہ۴۱

۴۸...... اسد الغابہ، جلد۲، صفحہ۱۳/ طبقات کبریٰ للشعرانی، جلد۱، صفحہ۲۳

۴۹......البدایہ و النھایہ، جلد۸، صفحہ۴۱

۵۰......کمال الدین الدمیری، علامہ، ۴۸۲ھ، حیاۃ الحیوان الکبریٰ، مکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصر، جلد۱، صفحہ۵۸

۵۱...... البدایہ و النھایہ، جلد۸، صفحہ۴۱ ۵۲......ایضاً صفحہ۴۲

۵۳...... البدایہ و النھایہ، جلد۸، صفحہ۴۲/ تاریخ الخلفاء، صفحہ۱۹۲

۵۴......صفۃ الصفوۃ، جلد۱، صفحہ۳۲۱ ۵۵...... تاریخ الخلفاء، صفحہ۱۹۴

۵۶...... الاصابہ فی تمییز الصحابہ، جلد۱، صفحہ۳۳۰

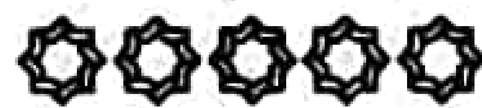
۵۷......ابن الجوزی، ۵۹۷ھ، المنتظم فی تاریخ الملوک و الامم، دار الکتب العلمیہ، جلد۵، صفحہ۲۲۵

۵۸......تاریخ الخمیس، جلد۲، صفحہ۲۹۳ ۵۹......سیر اعلام النبلاء، جلد۴، صفحہ۱۴۳

۶۰......ایضاً

۶۱......حالات کے لیے ملاحظہ ہو، نور الابصار، صفحہ۵-۱۲۴

۶۲......علامہ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف، شطنوفی، ۷۱۳ھ، بھجۃ الاسرار، مصطفیٰ البابی، مصر، صفحہ۸۸/ شیخ محمد بن یحییٰ، ۹۶۳ھ، قلائد الجواہر، بغداد، صفحہ۳



وفیات

گزشتہ دنوں:

مولانا فخر الدین، حافظ محکم الدین اور حافظ معین الدین مستفیض دار العلوم ہٰذا کے والد گرامی پیر محمد بخش صاحب المعروف پیر پٹھان، چیلی پور (دیپال پور) قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



گزشتہ سے پیوستہ

غداروں کا انجام

علامہ احمد علی قصوری
صدر مرکز اہل سنت پاکستان

اسلامی مملکت میں پہلی مرتبہ ریاستی سطح پر قوت نافذہ غلط ہاتھوں میں آ جانے کی وجہ سے حالات کی سنگینی یک لخت اتنی بڑھ گئی کہ جس کی روک تھام انتہائی راسخ الاعتقادی، راست فکری، ہمت و استقامت اور ایثار و جرأت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ یہ مطلوبہ فکری و عملی عزیمت و جرأت خانوادۂ نبوت اور ان کے گنے چنے چند شیدائیوں نے اس بانکپن سے دکھائی اور اپنے خون سے چمنستانِ اسلام اور بوستان حریت کی ایسی آبیاری کر دی کہ صدیوں پر محیط طاغوتی خزاؤں کے صدہا حملوں کے باوجود اسلام و حریت کی بہاریں اب تک قائم چلی آ رہی ہیں۔ اس وقت کے حالات کا غیر جانبدارانہ مطالعہ اور غیر جذباتی تجزیہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ایک طرف سارے مادی وسائل، کثرت اسلحہ، بے پناہ عسکری قوت باطل کے قبضے میں تھی، جب کہ دوسری طرف حق و صداقت کے علم بردار گنتی کے چند پردیسی مسافر اور وہ بھی بھوکے پیاسے خواتین اور معصوم بچوں کے ساتھ ڈٹ جاتے ہیں:

دشمناں چوں ریگ صحرا لا تُعَد　　　دوستانِ او بہ "یزداں" ہم عدد　[علامہ اقبال]

"(اسلام اور امام کے) دشمن ریگستان کے ذروں کی طرح لاتعداد تھے، جب کہ ان کے دوست اور مددگار صرف اتنے تھے کہ لفظ "یزداں" کے اعداد (۷۲) ہیں"---

عنوانِ ''اظہاریہ'' کی سیدھ میں قابل توجہ یہ کہ سربراہ مملکت یزید ہے، افواج کے کمانڈرز یزید کے ہیں، صوبوں کے گورنر یزید کے ہیں، ریاستی باشندوں کے سروں پر مسلط حکومت یزید کی ہے، مادی زندگی کے کثیر اسباب ولوازمات یزید کے ہیں-----لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نتائج کے اعتبار سے اللہ ورسول (ﷻ و ﷺ) کی اطاعت جیتی یا بغاوت؟ اصول وکردار کو فتح نصیب ہوئی یا فسق وفجور اور ہوسِ اقتدار ومنصب کو؟ جبر کامیاب ہوا یا صبر؟ نیز یہ کہ اسلامی اور انسانی تاریخ مابعد میں ظالموں، قاتلوں، فاسقوں، فاجروں اور اسلام کے غداروں کا انجام کیا ہوا اور انھیں انعام واکرام کیا ملا؟

کیا یہ حقیقت ثابت نہیں ہے کہ یزید اور اس کے معاونین پیروکاروں میں سے ہر ایک کی باقی ماندہ حیات ذلت آمیز گزری اور موت عبرت انگیز ہوئی۔ تاریخِ انسانیت یہ بتاتی ہے کہ انہیں تو آج تک اپنوں نے بھی نہیں اپنایا جب کہ معرکہ کرب وبلا میں حق کی طرف کے تمام شرکاء وشہداء اور بالخصوص پیکرِ عزم واستقامت، سالارِ کاروانِ شریعت وحریت، سیدنا امام حسین علیہ السلام نہ صرف جملہ اہل اسلام کے قلوب واذہان میں یقیناً مستقلاً آباد ہیں اور تا ابد الآباد رہیں گے، بلکہ انہیں تو غیر سے غیر بھی احترام دیتے ہیں۔ چند اشاراتی حوالہ جات قابل ملاحظہ ہیں۔ معروف مغربی عیسائی دانش ور مصنف تھامس کارلائل نے عالم گیر شہرت کی حامل اپنی کتاب ''Heroes and heroes worship'' میں دریں باب جو کچھ لکھا ہے، اس کی چند سطور کا ترجمہ یوں ہے:

''کربلا کے المیہ سے ہمیں سب سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ پر کامل یقین تھا۔ آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دکھایا کہ حق اور باطل کی کش مکش میں تعداد کی برتری کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ بہادرانہ کارنامے ایک قوم یا ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث ہوتے ہیں اور بہادری کا جو سبق ہمیں تاریخ کربلا سے ملتا ہے وہ کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا''---

[سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۲]

اردو ادب کے شہرہ آفاق نقاد اور دہلی یونی ورسٹی کے پروفیسر گوپی چند نارنگ اپنی کتاب ''سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ'' میں لکھتے ہیں:

''راہ حق پر چلنے والے جانتے ہیں کہ نماز عشق کا وضو خون سے ہوتا ہے اور سب سے سچی گواہی خون کی گواہی ہے۔ تاریخ کے حافظے سے بڑے بڑے شہنشاہوں کا جاہ وجلال، شکوہ وجبروت، شوکت وحشمت سب کچھ مٹ جاتا ہے، لیکن شہید کے خون کی تابندگی کبھی ماند نہیں پڑتی۔ اسلام کی تاریخ میں کوئی قربانی اتنی عظیم، اتنی ارفع اور اتنی مکمل نہیں

ہے، جنتی حسین ابن علی (علیہما السلام) کی شہادت۔ کربلا کی سرزمین ان کے خون سے لہولہان ہوئی تو درحقیقت وہ خون ریت پر نہیں گرا بلکہ سنت رسول اور دین ابراہیمی کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لیے سینچ گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ خون ایک ایسے نور میں تبدیل ہو گیا، جسے نہ کوئی تلوار کاٹ سکتی ہے، نہ نیزہ چھید سکتا ہے اور نہ زمانہ مٹا سکتا ہے۔ اس نے اسلام کو، جس کی حیثیت اس وقت ایک نوخیز پودے کی سی تھی، استحکام بخشا اور وقت کی آندھیوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا"---

[سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۴]

ممتاز سکھ شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی سحر دہلوی کی ایک مسدس کے دو بند یہ ہیں:

گلشنِ صدق و صفا کا لالۂ رنگیں حسین شمع عالم، مشعلِ دنیا، چراغِ دیں، حسین!
سر سے پا تک سرخیٔ افسانۂ خونیں، حسین جس پہ شاہوں کی خوشی قربان، وہ غمگیں حسین
مطلع نور مہ و پرویں ہے پیشانی تری
باج لیتی ہے ہر اک مذہب سے قربانی تری

بارشِ رحمت کا مژدہ، بابِ حکمت کی کلید روزِ روشن کی بشارت، صبحِ رنگیں کی نوید
ہر نظامِ کہنہ کو پیغامِ آئینِ جدید اے کہ ہے تیری شہادت اصل میں مرگِ یزید
تیری مظلومی نے ظالم کو کیا یوں بے نشاں
ڈھونڈتا پھرتا ہے اس کی ہڈیوں کو آسماں

[سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد، شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء، صفحہ ۷]

غرض عرض یہ کہ جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی سے لے کر مرزا قادیانی جیسے غداران نبوت تک، یزید و ابن زیاد جیسے قاتلان حسین سے لے کر قاتلان پاکستان تک، سارے کرداروں کا جائزہ لے لیں کہ اللہ، نبی، دین، امت اور قوم کے غداروں میں سے کسی کو بھی نہ عزت کی زندگی ملی، نہ عزت کی موت نصیب ہوئی:

جعفر از بنگال و صادق از دکن ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

قارئین کرام! "فقیہ اعظم پبلی کیشنز" کی شائع کردہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف "یادِ شہید" میں سے "کربلا کا انتقام" کے عنوان کے تحت لکھے گئے چھ صفحات ضرور ملاحظہ فرمائیں، جن کی چند سطور اس طرح ہیں کہ:

جو لوگ کربلا میں حجازی مسافروں پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے، تاریخ بتلاتی ہے کہ ان میں سے

کوئی قدرت کی گرفت سے بچ نہ سکا۔ ہر ایک مجرم نہایت قلیل عرصے میں بدترین قسم کی ذلت وخواری میں مبتلا ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچا، جو نشۂ حکومت میں مخمور ہو کر اپنے قصرِ اقتدار کو نا قابلِ تسخیر سمجھتے تھے، ان پہ خدا کی لاٹھی یوں برسی کہ ان کی لاشوں پر ایک آنسو نہ بہایا گیا:

﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ﴾---

صرف ساڑھے تین سال کی حکومت کے بعد یزید کو موت کے پنجے نے آدبوچا، موت کے وقت وہ اپنے شکار کے قلعہ میں مقیم تھا، اس کا زمانہ دینی خدمات اور اسلامی فتوحات سے خالی رہا، بلکہ وہ اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لیے بہت برا نام حاصل کر کے بہ ہزار حسرت وحرماں دنیا سے رخصت ہوا۔ یزید کے بعد اس کے بیٹے نے تخت حکومت پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا:

''تم مجھے خلیفہ منتخب کرتے ہو، مگر میں اس کا اہل نہیں اور آج اس امت میں کوئی عمر فاروق ﷺ بھی نظر نہیں آتا، جس کے سپرد یہ کام کیا جا سکے''---

یہ کہہ کر وہ گوشہ نشین ہو گیا اور تین ماہ کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔ اس کے بعد مروان بن حکم کو صاحبِ تخت بنا دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سانحہ کربلا کے بعد تین سال میں یزید اور اس کی اولاد سلطنت سے محروم ہو کر رہ گئی۔

چناں چہ عمرو بن سعد کے بیٹے حفص کو مختار ثقفی نے پوچھا:

تمہارا باپ کہاں ہے؟--- حفص کہنے لگا:

میرے اباب گوشہ نشین ہو گئے ہیں--- مختار نے کہا:

کربلا کے دن گوشہ نشین کیوں نہیں ہوا تھا؟---

آخر جلاد بھیجے گئے اور عمرو بن سعد اور حفص بن عمرو کے سر کاٹ کر حضرت محمد بن حنفیہ کی خدمت میں روانہ کر دیے---

خولی بن یزید کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹے گئے، پھر سولی پر لٹکا دیا گیا اور لاش جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی---

سنان اور شمر کو قتل کر کے ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے اور ان تمام قاتلوں کے سر، سیدی محمد بن حنفیہ کے پاس مدینہ بھجوائے گئے۔ مختار نے اپنے پولیس کپتان عبداللہ بن کامل کو ایک فہرست بنانے کا حکم دیا، جس میں ان تمام فوجیوں کے نام درج کرنے کی ہدایت کی گئی جنھوں نے جنگِ کربلا میں حصہ لیا تھا۔ نیز یہ حکم دیا کہ ہر ایک کے جرم کی تفصیل لکھو کہ کس نے نیزہ مارا، کس نے تیر چلایا، کس نے تلوار کا وار کیا، کس نے لباس اتارا، کس نے شہید کیا، کس نے سر انور کاٹا اور

کس نے گھوڑا دوڑایا؟---

پھر یہ اہتمام کیا گیا کہ ہر مجرم کو اس کے کیے ہوئے جرم کی مناسبت سے اس ہی شکل میں ہلاک کیا جاتا تھا---

مختار نے اپنی اس تحریک میں ہزار ہا عراقیوں کا خون گرایا اور یقین کامل سے کہا جاتا ہے کہ اس نے کسی مجرم کو بچنے کا موقع نہ دیا۔ سب از حد ذلت و رسوائی، بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں موت کے غار میں دھکیل دیے گئے۔ یہ تھا کوفہ کے ظالموں کا انجام:

رائیگاں جاتا تھا خونِ شہیدانِ وفا
رنگ لائے گی ہماری جاں سپاری ایک دن

جب کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں مختار کے سامنے ابن زیاد کا سر ایک طشتری میں پیش کیا گیا تو عبرت و رقت کا ایک عجیب سماں بندھ گیا تھا، کیوں کہ آج محرم الحرام کی وہی دس تاریخ تھی، کوفہ کا وہی قصر الامارت تھا، جہاں آج سے چھ برس پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال کا سر انور ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تھا---

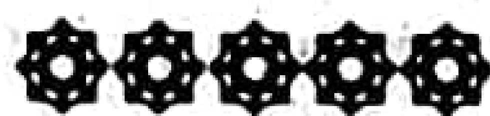
اور آج ابن زیاد کا سر بعینہٖ اسی طرح، اسی تاریخ اور اسی قصر حکومت میں فرماں روائے وقت کی خدمت میں پیش کیا جا رہا تھا---

فرق صرف اتنا تھا کہ وہ ۶۱ھ کی دس محرم الحرام تھی اور یہ ۶۷ھ کی دس محرم تھی---اللہ غنی!

﴿تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ﴾---[آل عمران:۱۴۰]

﴿لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾---[الحشر:۲۱]

سلام ان پر جو سلطانِ حریم عرشِ اطہر ہیں
سلام ان پر جو ختم الانبیا محبوبِ داور ہیں
سلام ان پر حسین ابن علی کہتے ہیں سب جن کو
سلام ان پر شہیدِ عشق ہیں جو بندہ پرور ہیں
سلام ان سرفروشانِ وفا کو بارہا کہیے
سلام اپنے شہیدِ کربلا کو بارہا کہیے



حمد رب جلیل عزوجل ---نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کبریا کی حمد سے منسوب ہیں کاغذ قلم
شاکرِ رب ہوں کہ میرے خوب ہیں کاغذ قلم

میں نے یہ کی تھی گزارش سرورِ کونین ﷺ سے
حمد لکھنے کو مجھے مطلوب ہیں کاغذ قلم

جو نہیں کرتے ہیں مدحِ خالقِ ہر انس و جاں
بے گماں ایسے سبھی معیوب ہیں کاغذ قلم

اسمِ اعظم صفحۂ قرطاس پر آتا نہیں
فکر ہے پابند اور مرعوب ہیں کاغذ قلم

"یَسْطُرُوْن" آیا ہے قرآنِ خدائے پاک میں
اَلْقَلَم سورہ سے یوں منسوب ہیں کاغذ قلم

بات تو جب ہے، درِ رب پر پذیرا ہو سکیں
گو بظاہر صاحبِ اسلوب ہیں کاغذ قلم

حمد و نعت و منقبت لکھنے کی خواہش ہے فقط
بس اسی خاطر مجھے مرغوب ہیں کاغذ قلم

میری آنکھوں کو خدا کے خوف نے نہلا دیا
حمد کے ارقام میں مرطوب ہیں کاغذ قلم

قدرتِ قادر کی توصیف و ثنا کرتے ہوئے
دہر میں توحید کے مندوب ہیں کاغذ قلم

ان سے لکھتا ہے خدائے پاک کی صناعیاں
اس لیے محمود کو محبوب ہیں کاغذ قلم

لانا جب چاہیں کوئی شہکارِ فن کاغذ قلم
نعت کا فی الفور پہنیں پیرہن کاغذ قلم

انکسار و عاجزی سے پھر کریں پیشِ نبی ﷺ
شاہکارِ فن بشکلِ عجزِ فن کاغذ قلم

مدحتِ سرکار ﷺ کا لکھ کر سخن کاغذ قلم
ہو گئے ہیں مالکِ ذوقِ حسن کاغذ قلم

مدحِ غیرِ مصطفیٰ ﷺ پر ہو اگر راغب کوئی
بے طرح محسوس کرتے ہیں گھٹن کاغذ قلم

عرضیاں میری سبھی کرتے ہیں پیشِ مصطفیٰ ﷺ
یوں مٹاتے ہیں مرے رنج و محن کاغذ قلم

نصرتِ سرکارِ والا ﷺ پر یقیں ہے لابدی
سامنے لائیں تو کیوں تخمین و ظن کاغذ قلم

کشتیاں کھیتے ہوئے ملتے ہیں اہلِ عشق کو
بحرِ اُنسِ مصطفیٰ ﷺ میں موج زن کاغذ قلم

ذوق لے کر مدحِ آقا ﷺ کا کلام اللہ سے
حبِّ آقا ﷺ کی لگاتے ہیں لگن کاغذ قلم

عام کرتے ہیں ولائے مصطفیٰ ﷺ کی روشنی
چھو کے نورِ سرورِ کل ﷺ کی کرن کاغذ قلم

ہاتھ ہو یا رب! مد محمود کا اس کام میں
جب عقیدت کی سجائیں انجمن کاغذ قلم

راجا رشید محمود



سیرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

قاضی عبدالنبی کوکب

ولادت

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ۵ر شعبان المعظم ۴ھ، مطابق ۵ر جون ۶۲۶ء کو مدینۃ النبی میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی ولادت کی خوش خبری رسول اللہ ﷺ تک پہنچی، تو آپ فوراً زہراء جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا:

''میرا پارۂ جگر، میری گود میں دو''---

ننھے حسین (رضی اللہ عنہ) ایک پاکیزہ کپڑے میں لپیٹ کر حضور ﷺ کی آغوش میں رکھ دیے گئے۔ آپ ﷺ نے پیارے بچے کے کانوں میں اذان اور اقامت کہی---

شروع میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شیر خوارگی، حضرت ام الفضل کے سپرد کی گئی، کیوں کہ سیدہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ دودھ پیتے تھے۔ حضرت ام الفضل، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ، یعنی رسول خدا ﷺ کی چچی تھیں۔ چند روز پیشتر یہی حضرت

ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کر رہی تھیں:

''حضور! میں نے ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے''---

حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

''چچی! یہ تو بڑا اچھا خواب ہے''---

چناں چہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد حضور ﷺ نے انہیں ام الفضل کی گود میں دے دیا اور اس طرح ان کا مبارک خواب پورا ہوا---

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عقیقے میں خود حضور ﷺ نے دو جانور ذبح کیے اور سر کے بال منڈوا کر ہم وزن چاندی خیرات کر دی---

حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کس قدر خوش نصیب تھے کہ انہیں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی ماں نصیب تھی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک طرف چکی پیستیں، کنویں سے مشکیزے بھرتیں اور دوسری طرف شہزادوں کا جھولا بھی جھولاتی رہتیں---

اس گھر میں تربیت و تادیب کے طریقے بھی ساری دنیا سے نرالے تھے۔ ایک دن دونوں بھائی بچپن کے بھولے پن سے آپس میں لڑے اور پھر والدہ کے پاس شکایت لائے کہ مجھے بھائی نے مارا ہے، اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

''مجھے اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ نے مارا، یا حسن رضی اللہ عنہ نے، میں تو یہ جانتی ہوں کہ تم دونوں پر خداوند تعالیٰ جل جلالہ ناراض ہو گیا ہے، کیوں کہ وہ لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں کرتا''---

یہ سن کر ننھے حسنین ملول ہو گئے اور کہنے لگے:

''امی! اب معاف کر دیجیے، آئندہ ہم کبھی نہ لڑیں گے''---

آپ بولیں:

''معافی اپنے خدا سے مانگو، چلو وضو کرو اور مصلے پر کھڑے ہو جاؤ''---

چناں چہ پاک بچے، خدا کے دربار میں کھڑے ہو گئے---[۱]

[۱]...... یہ واقعہ سیماب اکبرآبادی نے منظوم کیا ہے، میں نے ان کی نظم سے ہی لیا ہے---

آغوش رسالت

حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عظمتوں کا راز یہ تھا کہ انہیں آغوش رحمۃ للعالمین ﷺ کی دولت عظمیٰ نصیب تھی۔ رسول اللہ ﷺ ان سے انتہائی محبت رکھتے تھے، ہر روز انہیں دیکھنے کے لیے بیٹی کے گھر جاتے، انہیں اٹھالیتے، ساتھ چمٹاتے، کھلاتے، پیار کرتے، چومتے اور کبھی یوں سونگھتے تھے، جیسے کہ پھولوں کو سونگھا جائے اور فرمایا کرتے:

هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا---[ترمذی]

"یہ دنیا میں میرے پھول ہیں"---

بخاری ومسلم اور دوسری صحاح کی وہ حدیثیں کسے معلوم نہیں کہ ان بچوں کے لیے حضور ﷺ خطبے کے منبر سے اتر آتے اور ان کے لیے سجدہ کو لمبا فرما دیتے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ گواہ ہیں، آپ ﷺ فرمایا کرتے:

"یہ دونوں میرے بچے اور میری بیٹی کے لڑکے ہیں، اے اللہ! میں ان دونوں کے ساتھ محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے اور ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں سے محبت فرما"---[ترمذی]

احادیث کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نسبتاً زیادہ تھی---

ایک مرتبہ آپ ﷺ، سیدہ کے گھر کے پاس سے گزر رہے تھے کہ کان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز پڑی، حضور ﷺ بے قرار ہو کر رک گئے اور بیٹی کو آواز دی:

"فاطمہ! کیا تم نہیں جانتی کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے"---

ایک دن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ حضور ﷺ کے کندھے پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سوار ہیں، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بولے:

نِعْمَ الْمَرْكَبُ---

"کیا اچھی سواری ہے"---

حضور ﷺ نے فرمایا:

وَ نِعْمَ الرَّاكِبُ---

"اور سوار بھی تو بہت اچھا ہے"---

Scanned with CamScanner

حضرت ام الفضل نے ایک موقع پر حضرت امام حسین ﷛ کو ذرا سختی اور عجلت سے گود میں لیا۔ حضور ﷺ سے نہ رہا گیا، فوراً فرمایا:

مَهْلًا يَا أُمَّ الْفَضْلِ مَهْلًا---

''اے ام فضل! بچے کو چھوڑ دو''---

اصابہ اور الاستیعاب میں آیا ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَبْصَرَتْ عَیْنَایَ هَاتَانِ وَ سَمِعَتْ اُذُنَایَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ هُوَ اٰخِذٌ بِکَفَّیْ حُسَیْنٍ وَ قَدَمَاهُ عَلٰی قَدَمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ هُوَ یَقُوْلُ تَرَقَّ تَرَقَّ عَیْنَ بقه قَالَ فَرَقِیَ الْغُلَامُ حَتّٰی وَضَعَ قَدَمَیْهِ عَلٰی صَدْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِفْتَحْ فَاکَ ثُمَّ تفل ثُمَّ قَبَّلَهُ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُ فَاِنِّیْ اُحِبُّهُ---

[اصابہ ابن حجر عسقلانی، الاستیعاب، جلد ا، صفحہ ۵-۱۴۴]

''حضرت ابو ہریرہ ﷛ فرماتے ہیں، میری ان آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ حضور سرورِ عالم ﷺ، حضرت امام حسین ﷛ کے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھے اور حسین ﷛ کے پاؤں، حضور ﷺ کے پاؤں پر رکھے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

اے ننھے قدموں والے! چڑھ آ چڑھ آ، چنانچہ بچہ جسم اطہر پر چڑھنے لگا، یہاں تک کہ اپنے قدم حضور ﷺ کے سینے پر رکھ دیے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا:

منہ کھول--- پھر آپ نے لعاب دہن ڈالا اور منہ چوم لیا، پھر فرمایا:

اے اللہ! اسے محبوب رکھ کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں''---

نرالی تربیت

حضرت امام حسین ﷛ کو کسی مدرسے یا تربیت گاہ میں جانے کی کیا حاجت تھی جب کہ خود ان کے نانا ﷺ معلم کائنات تھے۔ حضور سرورِ عالم ﷺ، پیارے نواسوں کو اکثر ساتھ رکھتے، گھر میں نماز پڑھتے وقت انہیں قریب کر لیتے، بعض اوقات دعوت پر ساتھ لے جاتے، اس طرح بچوں کی ہر ادا کا آپ ﷺ مطالعہ فرماتے اور جب ضرورت ہوتی تو ہدایت بھی فرماتے تھے---

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس زکوٰۃ کی کھجوروں کا ٹوکرا رکھا تھا کہ امام حسین ﷛ آ گئے، آپ بچے تھے، ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی، حضور ﷺ نے فوراً انگلی ڈال کر کھجور نکال دی اور فرمایا:

کخ کخ---"پیغمبر کے گھر والے زکوٰۃ نہیں کھاتے"---

[صحیح بخاری، جلد۲، صفحہ۱۲۹]

بعض روایات بتلاتی ہیں کہ ان بچوں کو نماز کا پورا طریقہ بھی خود حضور ﷺ نے ہی سکھایا تھا۔ حضور ﷺ ان کے کھیل کو بھی دل چسپی سے دیکھتے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے تاکہ جسمانی قویٰ بھی صحیح نشوونما پائیں---

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے روایت کی ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ یَصْطَرِعَانِ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ---[اصابہ، ابن حجر]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، رسول اللہ ﷺ کے سامنے کشتی لڑا کرتے تھے"---

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قریش کے لکھنے پڑھنے والے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ اپنے شہزادوں کو بھی لکھنا پڑھنا سکھاتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپس میں خوش خطی کا مقابلہ کرتے اور حضور ﷺ کو دکھاتے، مگر آپ کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ دیا کرتے تھے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو---

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بچپن کے سات سال، سات ماہ، سات دن رسول خدا ﷺ کے سایہ شفقت میں گزارے۔ پھر حضور ﷺ کے انتقال کے بعد تربیت کی ذمہ داری حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سنبھالی۔ آپ نے جہاں شہزادوں کو حکمت کے درس دیے، وہاں شمشیرزنی، شہ سواری اور فنون جہاد میں بھی ماہر کر دیا---

عہد خلافت میں

خلفائے راشدین، دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے کہ ان کا ہر کام رسول خدا ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہو، چناں چہ ان کی کوشش اور خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے---

جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں اہل بیت پر اسی طریقے سے خرچ کیا کروں گا، جس طرح حضور ﷺ خرچ فرماتے تھے---

خلیفہ دوم سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ رقمیں تقسیم فرماتے ہوئے حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دس دس ہزار درہم دیے۔ اس پر خلیفۃ المسلمین کے صاحبزادے عبداللہ بولے:

ان حضرات کو رقم زیادہ ملی ہے، حالانکہ میری اسلامی خدمات زیادہ ہیں۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہایت برہم ہوئے اور فرمایا:

عبداللہ! تمہاری بات سے مجھے رنج ہوا، کیا تمہارا نانا، ان کے نانا کے مانند ہے؟---

کیا تمہاری ماں، ان کی ماں کے مانند ہے؟---

کیا تمہاری نانی، ان کی نانی کے مانند ہے؟..........---

سنو! ان کے نانا رسول اللہ ﷺ ہیں، ان کی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی نانی حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں---

جب یمن کے بنے ہوئے حلّے مدینہ میں پہنچے اور سب لوگوں میں تقسیم ہو گئے۔ لوگ حلے پہن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرنے مسجد کی طرف آ رہے تھے کہ حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تشریف لائے مگر ان کے جسم پر کوئی حلّہ (قیمتی چغہ) نہ تھا۔ آپ نے بے قرار ہو کر فرمایا:

لوگو! تمہارے حلّے پہننے سے مجھ کو خوشی نہیں ہوئی کیوں کہ ان شہزادوں کے طفیل تمہیں حلّے ملے ہیں لیکن ان کے جسم حلّوں سے خالی ہیں---

اسی وقت حاکم یمن کو لکھا کہ دو قیمتی حلّے بھیج دو اور جب حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ حلّے پہن کر نکلے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے فرمایا:

''اب مجھے سچی خوشی حاصل ہوئی ہے''---

ایک دن حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ منبر نبوی کی طرف بے باکانہ بڑھے اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے خطبہ کے دوران میں کہا:

''اے عمر! میرے نانا کے منبر سے اترو اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ''---

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرے باپ کا کوئی منبر نہیں اور یہ سب جو کچھ ہمیں ملا ہے، تمہارا اور تمہارے نانا کا صدقہ ہے''---

پھر آپ شہزادے کو گھر لے گئے اور تاکید فرمائی کہ کبھی کبھی تشریف لایا کرو---[تہذیب التہذیب]

عہد عثمانی تک حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جوان ہو چکے تھے، چناں چہ اس زمانے میں آپ نے اسلامی فتوحات میں حصہ لیا---سیدنا حسین ﷛ جہاد طبرستان اور افریقہ کی مہمات میں شریک ہوئے، تفصیل آگے آرہی ہے---

سیرت

بچپن میں تربیت و تادیب کا جو پاکیزہ ماحول، سیدنا امام حسین ﷛ کو میسر آیا تھا، اس نے آپ کی زندگی کو علم و فضل، شجاعت و بسالت، ہمت و عزیمت، تقویٰ و طہارت اور زہد و ورع کی صحیح اسلامی تصویر بنا دیا تھا---

ذوق عبادت

آپ ﷛ نے آنکھیں کھولیں تو رسول خدا ﷺ، سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نمازیں، تلاوتیں اور سجدے دیکھے---اس لیے یہ ذوق، زندگی کا ایک مستقل حصہ بن گیا---

لگا دی ہے مرے محبوب نے ایسی لگن مجھ کو
گزاروں گا اسی لذت میں باقی کی عمر اپنی

کبھی آپ پر ایسی حالت بھی آجاتی تھی کہ پورا پورا دن اور ساری ساری رات نماز میں گزار دیتے۔ ایسے موقعوں پر آپ دن رات میں ہزار ہزار رکعت پڑھ جاتے---[زین العابدین]

رات کی نماز میں جب تلاوت شروع کرتے تو آنکھیں آنسو برسانے لگتیں، گلے میں آواز اٹکتی اور رک رک جاتی۔ جب قیام میں ہوتے تو تلاوت کی محویت میں گھنٹوں کھڑے رہتے اور جب سجدے میں سر رکھتے تو لذت نیاز سے اٹھانے کو جی نہ چاہتا اور اسی طرح راتیں تمام ہو جاتیں---

اَلَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا---[الفرقان:۶۴]

''جو کہ اپنے رب کے لیے سجدے کرتے ہیں اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں''---

ذکر و عبادت کا یہ ذوق، مدینہ سے لے کر کوفہ تک کے اس سفر میں بھی نہ بھولا، جو سفر کربلا کہلاتا ہے اور جو آپ کی عمر میں آخری سفر تھا---

۲۷ رجب المرجب ۶۰ ھ کی رات کو جب آپ مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے لگے تو پہلے

نانا جان ﷺ کے گنبد خضریٰ پر حاضر ہوئے۔ وہاں رات کا ایک حصہ ذکر و دعا اور نانا جان ﷺ کے حضور میں عرض و مناجات کرتے گزارا۔ پھر فرات کے کنارے پہنچ کر ۹ محرم الحرام ۶۱ ھ کو جب دیکھا کہ دشمن جنگ شروع کرنا چاہتا ہے تو آپ نے گھر کا ایک آدمی بھیج کر کوفیوں سے ایک رات کی اجازت لے لی، بس پھر یہ رات نمازوں، دعاؤں، استغفار و انابت اور عجز و تضرع کی رات تھی۔

ایک راوی کہتا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یہ آیت پڑھ رہے تھے:

مَا کَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ---[آل عمران:۱۷۹]

''خدا اہل ایمان کو اسی حالت میں نہ چھوڑ دے گا، وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا''---

جعفر بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے نو اور دس محرم کی درمیانی رات خیمے سے روشنی پھوٹتی دیکھی اور جھانک کر دیکھا تو حضرت امام رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن حکیم کھلا ہوا ہے اور آپ تلاوت فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں---[تہذیب التہذیب]

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ یہ عمر کی آخری رات ہے، اس لیے انہوں نے چاہا کہ آج جی بھر کر اپنے خدا کی یاد کر لوں اور دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے، اسی کے ذکر کا زادِ راہ لیتا جاؤں۔ زندگی کا یہ گوشہ وہ ہے، جہاں بندۂ مومن خدائے برحق کے حضور میں جھکا ہوا، اس کے سامنے اپنی طاعت و عبدیت کا اقرار کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کا مظہر آپ نے اوپر کی سطروں میں دیکھا---

مجاھدانہ بسالت

اب یہ ورق الٹ کر ان میدانوں کا نقشہ دیکھیے، جہاں باطل کی طاقتیں، حق سے ٹکرانے کو اُمڈ رہی ہوتی ہیں۔ یہاں حق کے پرچم کو سچائی کے وہ پروانے مطلوب ہوتے ہیں، جن کے جوش صداقت سے طاغوت کا زہرہ آب ہوتا ہے اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ وہی رات کی خاموشی میں اللہ کی یاد میں محو رہنے والے حسین رضی اللہ عنہ، یہاں بھی شمشیر بدست میدانوں کی چھاتی پہ ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں اور یہی سچے مومن کی زندگی ہے کہ وہ رات کا نمازی ہوتا ہے اور دن کا غازی ہوتا ہے---

۳۰ ھ/ مطابق ۶۵۰ ء کو عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں طبرستان کی طرف جو فوجی مہم روانہ کی گئی تھی، حضرت حسین اور ان کے بھائی حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں اس میں شریک ہوئے---

[تاریخ الامم والملوک، طبری]

اسی طرح آپ ان مجاہدین میں بھی شامل تھے، جنہوں نے پہلے مصر فتح کیا اور بعد میں افریقہ کے میدانوں میں اتر کر اسلام کا پھریرا لہرایا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سمیت اسی لشکر میں کام کرتے ہوئے مغرب اقصیٰ تک پہنچے تھے---

جب بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، اس وقت آپ دونوں بھائی، ننگی تلواریں لیے ہوئے، خلیفۃ المؤمنین کے دروازے پر کھڑے تھے۔ چناں چہ فسادیوں کی فوج دروازے کی طرف سے آخر دم تک مکان میں داخل نہ ہو سکی مگر خلیفہ کی شہادت مقدر ہو چکی تھی، بلوائی پچھلی طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس گئے اور سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔ خلیفہ کی شہادت کی خبر سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم غم و غصہ سے بھرے ہوئے تشریف لائے اور صاحبزادوں کو تھپڑ مارتے ہوئے کہا:

"تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیسے ہو گیا"---

دونوں بھائی گو بے قصور تھے، تاہم والد کے سامنے اف تک نہ کی---

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شامی لشکروں کے ساتھ جو لڑائیاں وقتاً فوقتاً ہوتی رہیں، ان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت پامردی اور دلیری کے ساتھ کام کرتے رہے۔ ۴۹ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر قسطنطنیہ کے لیے تیار کیا، اس میں بھی سیدنا امام رضی اللہ عنہ شریک ہوئے---

جب آپ مجاہدین کے ساتھ میدان میں اترتے، تو اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے والد ماجد کی طرح، اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے۔ بلکہ آپ ان نڈر جوانوں میں سے تھے، جو عربی دستور جنگ کے مطابق عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے، اکادکا لڑائی کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ جنگ میں آپ نے آگے بڑھ کر "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کیا (یعنی کوئی مقابلے پہ آئے)، مخالف سمت سے ایک بڑا معروف جنگ جو زبرقان سامنے آیا، اس نے پوچھا:

تم کون ہو؟---آپ نے فرمایا:

میں حسین بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہوں---اس نے کہا:

میں آپ سے لڑنا نہیں چاہتا---

ان سطور سے معلوم ہوگا کہ ہمارے ممدوح امام عالی مقام رضی اللہ عنہ، عابد شب زندہ دار بھی تھے اور

شجاع دل غازی اور مجاہد بھی تھے---

علم و فضل

رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیضان تربیت کا تیسرا اثر یہ تھا کہ آپ میں فہم قرآن اور درایت حدیث کے جوہر پیدا ہو گئے تھے، اسی طرح شعر وسخن کا بلند پایہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ خود شعر کہتے بھی تھے اور عرب شاعری پر فاضلانہ نظر کے مالک بھی تھے۔ عربوں کی ذہین اور اعلیٰ سوسائٹی کے افراد کے لیے خطابت اور عربیت پر قدرت، نہایت لازمی چیزیں تھیں اور ان میں بھی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام مسلّم تھا---

قرآن حکیم کے مضامین آپ کے ذہن پر اس قدر غالب تھے کہ آپ کی باتیں اور آپ کے خطبے قرآنی حقائق کی چاشنی سے لبریز ہوتے تھے۔ سفر کربلا کے دوران جب فرزدق نے بتلایا کہ "کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں"---اور اس کے بعد فرزدق نے یہ فقرہ بولا:

وَ الْقَضَاءُ یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ---

"قضا وقدر آسمان سے نازل ہوتی ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے"---

تو جناب امام نے ارشاد فرمایا:

صَدَقْتَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَ کُلَّ یَوْمٍ رَبُّنَا فِیْ شَانٍ اِنْ نَزَلَ الْقَضَاءُ بِمَا نُحِبُّ فَنَحْمَدُ اللّٰهَ عَلٰی نَعْمَائِهٖ وَ هُوَ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی اَدَاءِ الشُّکْرِ---

"فرزدق! تم نے سچ کہا، معاملات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں، جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لحہ کسی حکم فرمائی میں ہے، اگر مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اس کی حمد وثنا کریں گے"---

ان چند فقروں میں قرآن حکیم کے متعدد بنیادی تصورات آ گئے ہیں اور پھر ترکیبوں کی ساخت ایسی ہے کہ گویا قرآنی الفاظ کے نگینے، بلند پایہ عربی کی انگوٹھی میں کمال صنعت سے جڑ دیئے گئے ہوں اور جو کچھ فرمایا ہے، برجستہ اور بلا تکلف فرمایا ہے، تاہم یہ کلام عربیت خالصہ کے عظیم القدر نمونوں میں سے ایک ہے۔ تقریباً آپ کی تمام گفتگوؤں اور تقریروں میں اسی مذکورہ انداز کا غلبہ نظر آتا

ہے۔ بعض مواقع پر واقعات کی کیفیت کے مطابق صرف آیات قرآنی ہی پڑھ دیا کرتے تھے اور درپیش ہونے والے معاملے کی مکمل تصویر کھنچ جاتی تھی۔ ۲۷؍رجب المرجب کو جب مدینہ منورہ سے نکلے تو یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ---[القصص]

''پس اس بستی سے بحالت خوف واحتیاط نکلے''---

اور ۳؍شعبان المعظم کو مکہ کے قریب پہنچتے ہوئے یہ پڑھ رہے تھے:

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِىْ سَوَاءَ السَّبِيْلِ---[القصص]

''اور جب مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا، امید کہ پروردگار مجھے سیدھی راہ دکھادے گا''---

اسی طرح جب آپ کے قاصد قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر آپ تک پہنچی تو آنکھیں تر ہوگئیں اور پڑھنے لگے:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا---[الاحزاب]

''پس ان میں کچھ وہ ہیں جو اپنا کام ادا کر چکے (یعنی جانیں قربان کر چکے) اور کچھ باقی منتظر ہیں اور انہوں نے کچھ تبدیلی نہیں کی''---

یہ تمام اقتباسات کامل ابن اثیر، جلد۴ سے لیے گئے ہیں اور یہاں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ قرآن کو کس قدر غائر نگاہی اور حضور ذہن کے ساتھ پڑھتے تھے کہ جب چاہتے، موقع کے مناسب قرآن حکیم کی خوشہ چینی فرما لیتے---

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو احادیث کے یاد کرنے اور ان کی اشاعت کرنے کا خاصہ شغف تھا--- کتب حدیث میں آپ سے کئی روایات ایسی منقول ہیں جو آپ نے خود حضور سرور عالم ﷺ سے سنی تھیں اور اس کے علاوہ آپ نے علم حدیث کے سلسلے میں اپنے والد ماجد، اپنی والدہ محترمہ، اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کی---

حدیث سیکھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ نے اسے دوسروں تک

پہنچایا۔ چناں چہ جن حضرات نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

حضرت حسن بن علی، علی بن حسین، زید بن حسین، سکینہ بنت حسین، فاطمہ بنت حسین، امام ابی جعفر باقر، امام شعبی، حضرت عکرمہ، کرزتیمی، سنان بن ابی سنان دوٗلی، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، فرزدق اور دیگر بہت سے اصحاب--- [تہذیب التہذیب، جلد۲، صفحہ ۳۴۵]

اس فہرست میں "سکینہ بنت حسین" اور "فاطمہ بنت حسین" کے نام ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت امام گھر میں اپنی بچیوں تک کو احادیث یاد کراتے تھے اور امام ابوجعفر باقر، امام شعبی، حضرت عکرمہ اور فرزدق جیسے اسماء، سیدنا حسین ﷺ کے علمی پایہ پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسے ایسے ارباب علم و فضل آپ کے خوشہ چینوں میں تھے---

شعر و شاعری میں بھی خوب دلچسپی لیتے تھے لیکن صرف پاکیزہ اور بلند مضمون اشعار کو پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کو عرب شاعری کا اکثر حصہ یاد تھا اور کبھی کبھی حسب مواقع اچھے شاعروں کے شعر اپنی گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔ کربلا کی راہ میں جب حر نے کہا:

"اگر آپ جنگ کریں گے تو قتل کیے جائیں گے"---تو آپ نے فرمایا:

میں تیرے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ﷺ کے وہ اشعار پڑھتا ہوں جو انہوں نے جہاد پر جاتے ہوئے کہے تھے، جب کہ ان کا کافر بھائی انہیں روکتا تھا:

سَاَمْضِیْ وَ مَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَی الْفَتٰی
اِذَا مَا نَوٰی خَیْرًا وَ جَاھَدَ مُسْلِمًا
وَ وَاسٰی رِجَالًا صَالِحِیْنَ بِنَفْسِہٖ
وَ خَالَفَ مَثْبُوْرًا وَ خَارَقَ مُجْرِمًا
فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدَمْ وَ اِنْ مِتُّ لَمْ اُلَمْ
کَفٰی بِکَ ذُلًّا اَنْ تَعِیْشَ وَ تُرْغَمَا

[ابن اثیر، جلد۴، صفحہ ۴۵]

"میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لیے موت میں عار نہیں، جب اس کے عزائم نیک ہوں اور وہ اسلام کے لیے جہاد کرنے والا ہو---

اور جب نیکوں پر اپنی جان قربان کرنے والا ہو اور مجرموں سے الگ ہو جانے والا ہو---

پس اگر میں زندہ رہا تو ندامت نہ ہوگی اور اگر مر گیا تو ملامت بھی نہ ہوگی، لیکن خواری کے ساتھ جینا سب سے بڑی ذلت ہے"---

کبھی کبھی آپ خود بھی شعر کہتے، آپ سے جو اشعار منقول ہیں، وہ عربی شعر کے اونچے درجے کا ایک حصہ ہیں۔ آپ نے دنیا کی حرص، مال اور فقر و غنٰی پر فرمایا ہے:

دَعِ الْحِرْصَ عَنِ الدُّنْیَا
وَ فِی الْعَیْشِ فَلَا تَطْمَعْ
وَ لَا تَجْمَعْ مِنَ الْمَالِ
فَلَا تَدْرِیْ لِمَنْ تَجْمَعْ
فَاِنَّ الرِّزْقَ مَقْسُوْمٌ
وَ سُوْءُ الظَّنِّ لَا یَنْفَعْ
فَقِیْرٌ کُلُّ ذِیْ حِرْصٍ
غَنِیٌّ کُلُّ مَنْ یَّقْنَعْ

[مجموعۃ القصائد، صفحہ ۴۷]

"دنیا کی حرص اور زندگی کی لمبی امیدیں چھوڑ---
اور مال جمع کرنے میں ہی نہ لگا رہ، کیا خبر کس کے لیے جمع کر رہا ہے---
رزق کا فیصلہ تو ہو چکا اور بدگمانی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا---
فقیر وہ ہے جو طمع میں مبتلا ہے اور غنی وہ ہے، جو صاحب قناعت ہو"---

چھوٹی بحر کے یہ اشعار، کس قدر آسان زبان اور دل کش انداز میں کہے گئے ہیں۔ ممکن نہیں کہ عربی شعر کا ذوق رکھنے والا، انہیں جھومے بغیر پڑھ جائے---

آپ نے کچھ اشعار، جنت کے بارے میں کہے تھے، ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

سُتُوْرُھَا النُّوْرُ وَ الْاَرْکَانُ مِنْ ذَھَبٍ
وَ الْفَرْشُ اِسْتَبْرَقٌ خُضْرٌ حَوَاشِیْھَا
فَمَنْ یُّرِدْ شِرَاھَا مَعَ تَقَلُّلِہٖ
فَلَیْلَۃٌ بِدَوَامِ الصُّبْحِ یُحْیِیْھَا

"اس کے پردے نور کے اور ستون سونے کے ہیں۔ فرش استبرق کا ہے، جس کے کنارے سبز ہیں---

پس جو شخص اپنی تنگ دستی کے باوجود اسے خریدنا چاہے، وہ راتوں میں صبح تک عبادت کیا کرے"---

صرف ایک ہی شعر میں ایک ایسی چیز کا نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ دیا ہے، جسے کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور کوئی کان سن نہیں سکتا---

قیام کربلا کی آخری رات میں، جب آپ تلوار صاف فرما رہے تھے، تو طبیعت نے نیرنگی زمانہ پر یہ شعر موزوں کیے:

يَا دَهْرُ اُفٍّ لَّكَ مِنْ خَلِيْلٖ
كَمْ لَكَ بِالْاِشْرَاقِ وَ الْاَصِيْلٖ
مِنْ صَاحِبٍ اَوْ طَالِبٍ قَتِيْلٖ
وَ الدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيْلٖ
وَ اِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَى الْجَلِيْلٖ
وَ كُلُّ حَيٍّ سَالِكُ السَّبِيْلٖ

[ابن اثیر، جلد ۴، صفحہ ۳۰]

"اے زمانے! تو کیا بے وفا دوست ہے، ہر صبح اور ہر شام، تیرے ہاتھوں کتنے مارے جاتے ہیں---

اور یہ زمانہ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا---

دراصل سارا معاملہ تو خدائے جلیل کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ شخص موت کی راہ پر چل رہا ہے"---

زمانے، زندگی اور خدا کے متعلق عرب شاعروں نے جو کچھ کہا ہے، وہ سارا ذخیرہ سامنے رکھیے اور پھر دیکھیے کہ کربلا کی خاموش راتوں میں گنگنانے والے شاعر کی ان صداؤں کا کیا مقام ہے؟---

آپ کی شاعری کے تذکرے کے آخر میں وہ غیر فانی اشعار درج کرتا ہوں، جو آپ کی زندگی کے آخری شعر ہیں اور جو تلواروں کی جھنکار میں پکارے گئے تھے۔ جب خاندان رسول ﷺ

کے تمام بہادر کٹ چکے تھے اور آپ تن تنہا، دشمن کی صفوں میں اہل بیت کی شجاعت کی روایات دہرا رہے تھے، اس وقت آپ اپنا جنگی ترانہ یوں پڑھ رہے تھے:

اَنَا ابْنُ عَلِیِّ الْخَیْرِ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ
کَفَانِیْ بِھٰذَا مَفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَرُ
وَ جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَکْرَمُ مَنْ مَشٰی
وَ نَحْنُ سِرَاجُ اللّٰہِ فِی النَّاسِ اَزْھَرُ
وَ فَاطِمَۃُ اُمِّیْ سُلَالَۃُ اَحْمَدَ
وَ عَمِّیْ یُدْعٰی ذَا الْجَنَاحَیْنِ جَعْفَرُ
وَ فِیْنَا کِتَابُ اللّٰہِ اُنْزِلَ صَادِقًا
وَ فِیْنَا الْھُدٰی وَ الْوَحْیُ وَ الْخَیْرُ یُذْکَرُ

''میں اس علی (رضی اللہ عنہ) کا فرزند ہوں، جو بنی ہاشم میں بہترین تھے۔ نسبی فخر کے وقت، یہی بات میرے لیے باعث افتخار ہے---

اور میرے نانا رسول خدا (ﷺ) ہیں، جو ساری خلق سے افضل ہیں اور ہم لوگ انسانیت کے لیے روشن چراغ ہیں---

اور میری والدہ، وہ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں، جو رسول اللہ (ﷺ) کا جگر پارہ تھیں اور میرے چچا حضرت جعفر طیار ذوالجناحین (رضی اللہ عنہ) ہیں---

ہمارے گھر میں اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب نازل ہوئی اور ہمارے ہی گھرانے میں ہدایت، وحی اور نیکی کا چرچا رہتا ہے''---

گفتگو، خطابت اور تحریر

علم و فضل کی جو دولت آپ نے اپنے گھرانے سے پائی تھی، اس کے اثرات آپ کی گفتگو اور تحریر و تقریر میں نہایت واضح نظر آتے ہیں۔ عربوں میں گفتگو اور مراسلے میں اختصار اور جامعیت کو پسند کیا جاتا تھا، لیکن تقریر اور خطبہ میں فصاحت و بلاغت، زبان دانی اور قادر الکلامی کے کمالات دکھائے جاتے تھے۔ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی گفتگوؤں اور ان کے خطبوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان پر مکمل قدرت بلکہ حکومت حاصل ہونے کے ساتھ

آپ وقت کے ادبی معیار سے بھی آگاہ تھے۔ آپ کی عام گفتگو کا یہ عالم تھا کہ صرف چند لفظوں میں پورا مدعا اس طرح بیان فرما دیتے کہ اس پر ایک لفظ کا اضافہ بھی ناممکن ہوتا۔ مدینہ منورہ کے عامل نے جب آپ کو تنہائی میں بلا کر بیعت کا مطالبہ کیا تو آپ کا جواب یہ تھا:

مِثْلُنَا لَا يُبَايِعُ سِرًّا---[الاستیعاب، جلد ۱، صفحہ ۱۴۴]

''ہم لوگ، خفیہ بیعت نہیں کر سکتے''---

اس جواب پر حاکم مدینہ لاجواب ہو گیا---

کوفہ جاتے ہوئے، جب شہادت مسلم کی خبر آئی تو بعض ساتھیوں نے کہا، اب واپس جانا چاہیے۔ لیکن حضرت مسلم کے بھائیوں نے کہا:

''نہیں، بخدا، یا تو ہم انتقام لیں گے، نہیں تو ہم خود بھی شہید ہوں گے''---

اس پر آپ نے اپنا فیصلہ صرف ان الفاظ میں سنا دیا:

لَا خَيْرَ فِي الْحَيَاةِ بَعْدَكُمْ---[تہذیب التہذیب، صفحہ ۳۵۲]

''تمہارے بعد زندگی میں کچھ بھلائی نہیں''---

میدان کربلا میں خیموں کی حفاظت کے لیے آپ نے حکم دیا کہ اردگرد خندق کھود کر اس میں آگ جلا دی جائے، جب آگ بھڑکی تو ایک کوفی بدبخت نے کہا:

تَعَجَّلْتَ النَّارَ فِي الدُّنْيَا---

''تم نے دنیا میں ہی آگ اختیار کر لی''---

یہ طعنہ سن کر آپ نے فرمایا[۱]:

اَنْتَ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا---[کامل، صفحہ ۳۱]

''اس میں جلنے کے زیادہ مستحق تم ہو''---

فرات کے کنارے پر آپ نے عمرو بن سعد کے ساتھ حالات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنی تین اہم شرطیں پیش کی تھیں اور الفاظ صرف یہ تھے:

اِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِيْ فَاَلْحَقُ بِالثُّغُوْرِ وَ اِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِيْ فَاَذْهَبُ اِلٰى يَزِيْدَ وَ

[۱]......''سعادت الکونین'' نے طبری کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس گستاخ کا گھوڑا کودا اور اسے خندق میں گرا دیا، جہاں وہ جل کر راکھ ہو گیا---

اِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِیْ فَاَذْهَبَ مِنْ حَیْثُ جِئْتُ---[تہذیب، صفحہ ۳۵۲]

''یا مجھے سرحدوں کی طرف جانے دو یا مجھے یزید کے پاس پہنچنے دو (تاکہ براہ راست گفتگو ہو سکے) اور یا مجھے واپس جانے دو''---

یہ تین فقرے تھے، لیکن عالم اسلام کی ساری کش مکش کا حل ان میں بند تھا۔ پھر مضمون کی اہمیت اور نزاکت کے باوجود، اسے کس قدر سادہ، سلیس اور مختصر الفاظ میں ادا کر دیا گیا---

اسی طرح آپ کے خطوط میں الفاظ بہت کم، معانی بہت زیادہ اور مطالب نہایت واضح ہوتے تھے، آپ کے بعض خطوط کا متن آئندہ ابحاث میں آ رہا ہے۔ خطابت عربوں کا محبوب وصف تھا، قریش اور خصوصاً بنو ہاشم میں ہمیشہ بلند پایہ خطیب پیدا ہوتے رہے---

امام عالی مقام کے لیے یہ وصف خاندانی وراثت کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی خطابت تو مسلم تھی، پھر حضرت امام حسن ؓ بھی مؤثر خطیب تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک ایسے مجمع سے خطاب فرمایا، جو حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی پیروی سے ہٹنا چاہتا تھا مگر آپ کی تقریر کا اثر یہ تھا کہ ہزارہا لوگ بیعت کرنے لگے اور جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ سیدنا امام حسین ؓ بھی نہایت پرتاثیر اور مسکت [۱] تقریر فرماتے تھے۔ آپ نے آواز بھی بلند پائی تھی اور انداز بھی خطیبانہ تھا۔ میدان کربلا میں دشمنوں کی قطاروں کے سامنے آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوْا قَوْلِیْ وَ لَا تَعْجَلُوْنِیْ حَتّٰی اَعِظَکُمْ بِمَا یَجِبُ لَکُمْ عَلَیَّ وَ حَتّٰی اَعْتَذِرَ اِلَیْکُمْ مِنْ مَقْدَمِیْ عَلَیْکُمْ فَاِنْ قَبِلْتُمْ عُذْرِیْ وَ صَدَّقْتُمْ قَوْلِیْ وَ اَنْصَفْتُمُوْنِیْ کُنْتُمْ بِذٰلِکَ اَسْعَدَ وَ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ عَلَیَّ سَبِیْلٌ وَ اِنْ لَّمْ تَقْبَلُوْا مِنِّیَ الْعُذْرَ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ وَ شُرَکَاءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَ هُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ---[کامل، جلد ۴، صفحہ ۳۱]

''اے لوگو! میری بات سن لو، جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کرنے دو، اپنا عذر کہنے دو، آمد کی وجہ بیان کرنے دو، اگر تم میری معذرت مان لو اور میری بات کی تصدیق کرو اور

[۱]......آپ کوفیوں کے سامنے تقریر کرتے، پھر سوال کرتے کہ ''کیا میں غلط کہتا ہوں'' لیکن ادھر سناٹا چھا جاتا تھا اور کوئی جواب نہ آتا تھا---

میرے ساتھ انصاف کرو تو تم بڑے خوش بخت ہو گے اور تم میری مخالفت سے باز آ جاؤ گے۔
لیکن اگر تم میری معذرت قبول نہ کرو، تو پھر تم اور تمہارے ساتھی ایکا کر لو، تمہارا معاملہ شبہہ میں نہ رہے، پھر مجھ پر ٹوٹ پڑو اور ذرا مہلت نہ دو۔ میرا والی وہ اللہ ہے، جس نے قرآن اتارا اور وہی نیکوں کا حامی ہے"---

ہر فقرے میں قرآن کے الفاظ جگمگا رہے ہیں، ہر ترکیب "عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ" کا نمونہ پیش کر رہی ہے۔ فصاحت و بلاغت کی حد ختم ہو رہی ہے اور تاثیر کی بجلی، تقریر کے ہر گوشے میں چمک رہی ہے اور پھر یہ آواز اس خطیب کی ہے، جو منبر پہ نہیں بلکہ موت کی بدلیوں میں گھر کر زخمی گھوڑے پہ بیٹھا ہوا گونج رہا ہے:

جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

اخلاق و خصائص

آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ اور عادات نہایت پاکیزہ و شائستہ تھیں کیوں کہ آپ اس ہستی کی آغوش میں کھیلے تھے، جن کا مشن ہی انسان کے اخلاق و اطوار کو سدھارنا تھا۔ سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا جان ﷺ کی طرح نہایت سخی اور غریب پرور واقع ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ایک تنگ دست بدوی مدینہ طیبہ میں آیا اور پوچھنے لگا:

اس شہر میں سب سے بڑا سخی کون ہے؟--- لوگوں نے آپ کا پتہ دیا، جب سائل دروازے پر پہنچا، آپ نے خادم سے کہا:
دیکھو تو گھر میں کتنی رقم ہے، اس نے عرض کی:
چار ہزار اشرفیاں---فرمایا:
سب اٹھا کر اس شخص کو دے دو، کیوں کہ یہ ہم سے زیادہ ضرورت مند ہے---

جو شخص احسان کرتا، اسے ہمیشہ یاد رکھتے اور اس کے احسان کا بدلہ ادا فرماتے۔ ایک دفعہ آپ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لیے جا رہے تھے، راستے میں زادِ راہ ختم ہو گیا اور بھوک پیاس نے ستایا، اسی حالت میں ایک بڑھیا کی جھونپڑی نظر آئی، چنانچہ آپ اس کی طرف بڑھے، بڑھیا نے اپنی بکری کا دودھ دوہ کر پیش کیا اور پھر وہی بکری ذبح کر کے کھانا تیار کیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر آپ مکہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ ہو کر بعافیت تمام

مدینہ منورہ واپس پہنچ گئے۔ کافی عرصہ گزر جانے کے بعد وہی بڑھیا اتفاق سے مدینہ منورہ آئی، امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے بھائیوں نے بڑھیا کو پہچان لیا، چنانچہ ہزار ہزار بکری اور ہزار ہزار درہم دے کر بڑھیا کو نہایت عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کیا گیا---

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت امام رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کنیز نے پھولوں کا ایک گل دستہ لا کر پیش کیا، گل دستہ ہاتھ میں لے کر حضرت نے سونگھا اور کنیز سے ارشاد فرمایا:

''جا تو اللہ کی راہ میں آزاد ہے''---

حضرت انس فرماتے ہیں، میں نے عرض کی:

''آپ نے ایک گل دستے پہ کنیز کو آزاد کر دیا''---

آپ نے فرمایا، قرآن کریم میں حکم ہے:

اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا---

''یعنی جب تمہیں اچھی چیز پیش کی جائے تو تم اس سے بھی اچھی پیش کش کرو''---

آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات شاعروں کو بڑی بڑی رقمیں عطا فرما دیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی ایسے موقع پر آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس عادت پر تنقید کی اور ناراضگی ظاہر فرمائی کہ تم خواہ مخواہ ان لوگوں کو انعام دیتے رہتے ہو، اس پر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا:

''بھائی جان! آپ مجھ سے اس حقیقت کو زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اچھا مال وہ ہے، جس کے ذریعے عزت کی حفاظت کی جائے''---

آپ کا مفہوم یہ تھا کہ ان کے منہ میں ٹکڑا دینا بہتر ہوتا ہے تا کہ برائی اور ہجو سے ان کی زبان رکی رہے۔ خاندان کے تعلقات اور حقوق کا بہت زیادہ خیال رکھا کرتے تھے، خاندان کے ہر چھوٹے بڑے فرد سے انتہائی محبت رکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ ہر صغیر و کبیر کی محبت کا مرکز تھے، گویا پورے خاندان کی روح رواں تھے---

اس بات کا اندازہ سفر کربلا سے بھی ہوتا ہے کہ گھر کا ہر چھوٹا بڑا، آپ کے ساتھ جانیں نثار کرنے

کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور راستے میں جب آپ کہتے کہ تم لوگ اپنی جانیں بچا کر نکل جاؤ تو ان کا جوشِ محبت اور بھی ابھرتا اور وہ کہتے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے---

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا از حد احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی ایسی بات پیش آئی کہ بڑے بھائی کچھ رنجیدہ سے ہوگئے، ایک آدھ دن یونہی گزر گیا تو امام حسین رضی اللہ عنہ بہت مضطرب ہوئے، جی چاہا کہ بھائی کے پاس فوراً چلے جائیں، لیکن ایک حدیث پاک یاد آ گئی، جس کی رو سے خود رک گئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا:

"میں آپ کو راضی کرنے کے لیے پہل کرنا چاہتا تھا مگر نانا جان کا فرمان یاد آ گیا ہے کہ جو شخص اپنے رنجیدہ بھائی کو راضی کرنے میں پہل کرتا ہے، وہ جنت میں بھی اس سے پہلے داخل ہوگا اور میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ جنت جانے میں آپ سے پہل کروں کیوں کہ آپ بڑے ہیں لہٰذا آپ خود میرے ہاں تشریف لائیے"---

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ یہ پیغام سنتے ہی چھوٹے بھائی کے پاس چل کر آ گئے اور دونوں بھائی فرطِ محبت سے ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔ یہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سینے کس قدر صاف اور دل کیسے پاک تھے، رضی اللہ تعالیٰ عنھم و رضوا عنہ---

اپنے سوتیلے بھائی سیدی محمد بن الحنفیہ کے ساتھ بھی بڑی محبت فرماتے تھے، جب مدینہ طیبہ میں بیعت کا مطالبہ شروع ہوا تو آپ نے پیش آمدہ حالات کے متعلق انہی سے مشورہ کیا اور پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانگی ان کے مشورے کے مطابق عمل میں آئی---

آپ کو حضرت عبداللہ بن جعفر (چچازاد بھائی) سے بڑا پیار تھا۔ جب آپ مکہ سے کوفہ جانے والے راستے پر چل پڑے تو عبداللہ، حاکم مدینہ سے امان کا خط لکھوا کر، مدینہ سے دوڑے، راستے میں آپ کو آ روکا اور مدینہ جانے کے لیے اصرار کیا، لیکن آپ کو رضامند نہ کر سکے۔ تاہم اپنی وفا کی نشانی کے طور پر، اپنے دو بیٹے آپ کے ساتھ شریک سفر کر دیے، جو کربلا میں شہید ہو گئے---

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جو محبت تھی، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ آپ اپنی ازواج اور اولاد سے بھی گہری محبت و شفقت رکھتے تھے۔ اپنی ایک بیٹی سیدہ سکینہ (فداھا امی) اور ان کی والدہ حضرت رباب سے آپ کو خاص الفت تھی۔ آپ کا ایک شعر ہے:

لَعَمْرِیْ اِنَّنِیْ لَاُحِبُّ اَرْضًا
تَحِلُّ بِھَا السَّکِیْنَۃُ وَ الرَّبَابُ

''مجھے جان کی قسم! میں اس سرزمین سے محبت رکھتا ہوں، جہاں سکینہ اور رباب بستی ہیں''---

آپ اپنے بچوں سے محبت بھی کرتے تھے مگران کی تربیت کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔ پیچھے علم وفضل کے باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ آپ اپنے بیٹوں علی اور زید اور بیٹیوں سکینہ اور فاطمہ کو حدیثیں یاد کراتے تھے---

صفات عالیہ

آپ کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں وہ صفات عالیہ جمع فرما دی تھیں، جو عظیم انسانوں میں پائی جاتی ہیں۔ پیچھے آپ کے جود وسخا کا ذکر ہوا، اس کے بعد آپ کی جرأت اور استقلال کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ دراصل یہ دونوں وصف آپ میں فطری تھے، حضور سرور عالم ﷺ کے ایک فرمان کا ثمرہ تھے۔ تہذیب التہذیب میں ہے کہ حضور ﷺ کی آخری بیماری کے دنوں میں، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے دونوں بیٹے ساتھ لیے حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کی:

فَقَالَتْ لَهٗ هٰذَانِ ابْنَاکَ فَوَرِّثْهُمَا شَیْئًا قَالَ اَمَّا حَسَنٌ فَاِنَّ لَهٗ هَیْبَتِیْ وَ سُؤْدَدِیْ وَ اَمَّا حُسَیْنٌ فَاِنَّ لَهٗ جُرْأَتِیْ وَ جُوْدِیْ---

[تہذیب التہذیب، جلد۲، صفحہ۳۴۵]

''(حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بولیں، یہ آپ کے بیٹے ہیں، انہیں کچھ وراثت عطا فرمایئے---حضور ﷺ نے فرمایا:

''حسن رضی اللہ عنہ کو میری ہیبت اور سرداری ملی ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کو میری جرأت اور سخاوت ملی ہے''---

آپ کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ بچپن کے زمانے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو بھرے مجمع [۱] میں کہہ دیا---

''میرے نانا کے منبر سے اتریئے''---

---

[۱]...... یہ بات محض بچپن کے بھولے پن کی وجہ سے تھی۔ بعد میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تھا، آپ کو یہ بات کس نے سکھائی تھی؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا---

''کسی نے نہیں، میں نے ازخود کہی تھی''---

اسی جرأت اور استقلال طبع کا نتیجہ تھا کہ تاریخ کے بہت بڑے المیہ، سانحہ کربلا میں آپ کا عظیم کردار، روشنی کے منار کی طرح درخشاں نظر آتا ہے۔ دنیا کا ہر انسان اس واقعہ کی تفصیلات سن کر کانپ اٹھتا ہے مگر کمال ہمت واستقلال ہے آپ کا کہ گھرانے کے سب چھوٹے بڑے شہزادے، خون میں لیٹے ہوئے ہیں لیکن آپ کے ماتھے پہ شکن نہیں پڑتی، منہ سے اف نہیں نکلتی اور اپنے موقف سے بال برابر پیچھے نہیں ہٹتے اور ان دل دوز حالات میں دشمن کی ہر بات کا بے باکی سے جواب دیتے ہیں۔ ان کے سامنے تقریریں کرتے ہیں اور شمشیر بدست، صفوں میں گھس جاتے ہیں۔ جرأت اور بے خوفی کا یہ وصف آپ کے ہر ساتھی میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ واقعات کربلا میں حضرت مسلم، قیس بن مسہر اور عبداللہ بن یقطر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات دیکھیے۔ ان لوگوں نے زیاد جیسے جابر اور خوں خوار کے سامنے اس طرح کلمہ حق کہا کہ تاریخ کبھی نہ بھولے گی۔۔۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ فنون جنگ میں بھی اعلیٰ بصیرت کے مالک تھے۔ کربلا کا میدان بالکل چٹیل تھا، کوئی آڑ نہ تھی اور کوئی مورچہ نہ بنایا جا سکتا تھا، تاہم آپ نے اپنی جنگی بصیرت سے کئی تدبیریں نکال لیں۔ آپ نے اپنی فوج کے عقب پر تمام خیمے اکٹھے کر کے ایک دیوار سی بنا دی تھی تا کہ دشمن پچھلی طرف سے حملہ نہ کر سکے اور خیموں کے اردگرد خندق کھود کر اس میں آگ بھر دی، یہ خیموں کی حفاظت کی تدبیر تھی۔ جنگ شروع ہوئی تو پہلے آپ نے کافی دیر تک انفرادی جھڑپوں کا سلسلہ جاری رکھا، جس میں دشمن کا کافی نقصان ہوا، پھر جب کوفیوں کی گھوڑ سوار فوج ایک دم آگے بڑھی تو آپ نے اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاؤ اور نیزے دشمن کے رخ پر تانے رکھو، اس طرح سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے، نیزوں کی انیوں سے زخمی ہو گئے اور مجبوراً اس رسالے کو پسپا ہونا پڑا۔۔۔

اسلام کے دلیر، نڈر، مستقل مزاج اور دانا سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ خدا کے مطیع ومخلص اور اس سے بہت زیادہ ڈرنے والے بندے تھے۔ راتوں کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے، نماز میں روتے اور تلاوت میں بھی آنکھیں تر رہتیں۔ نماز، قرآن اور حج سے آپ کو محبت تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں پچیس حج کیے تھے۔ آپ خدا کی مخلوق، خصوصاً ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا سلوک کرتے، ماتحتوں کی خطائیں معاف کر دیتے۔۔۔

ایک دن آپ کے ہاں چند معززین کی دعوت تھی، ایک غلام نے ایک قیمتی کٹورا لاپرواہی سے توڑ دیا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا، تو اس نے یہ آیت پڑھی:

وَ الْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ---

''غصے کو پی جانے والے''---آپ نے فرمایا:

کَظَمْتُ غَیْظِیْ---

''میں نے اپنا غصہ پی لیا''---اس نے اگلا ٹکڑا پڑھا:

وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ---

''اور لوگوں کو معاف کرنے والے''---آپ نے فرمایا:

عَفَوْتُ عَنْکَ---

''میں نے تجھے معاف کیا''---غلام نے آگے پڑھا:

وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ---

''اور اللہ احسان کرنے والے کو پسند کرتا ہے''---آپ نے فرمایا:

''جا! تجھے اللہ کے لیے آزاد کیا''---

حاجت مندوں اور تنگ دستوں کو دیکھ کر آپ کا دل تڑپ جاتا تھا۔ فرزدق شاعر کو مروان نے شہر بدر کرنے کا حکم دیا، وہ نہایت بے سروسامانی میں آپ کے ہاں پہنچا، آپ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار اشرفیاں دے کر رخصت کیا---

ایک دن آپ کو خبر ملی کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ[۱] بیمار پڑے ہیں، آپ بیمار پرسی کے لیے گئے اور دیکھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سخت مضطرب ہیں۔ آپ نے وجہ پوچھی، وہ کہنے لگے، مجھ پر ساٹھ ہزار درہم قرض ہے اور موت قریب آ پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا:

''مطمئن رہیے، میں ابھی بندوبست کرتا ہوں''---

یہ کہہ کر اٹھے اور اسی وقت قرض خواہوں کے پاس جا کر ساٹھ ہزار کی رقم اپنے پاس سے ادا کر دی---

ایک دفعہ آپ کو بیت المال سے ایک بڑی رقم ملی، آپ وہ رقم لے کر مسجد میں بیٹھ گئے اور کسی

---

[۱]...... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب صحابی، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ حضرات حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بچپن کے ساتھی تھے۔ انہیں بھی حضور ﷺ کی گود میں بیٹھنے کا شرف حاصل تھا---

ضرورت مند شخص کا انتظار کرنے لگے۔ایک آدمی بولا:

آپ کا لباس پھٹا ہوا ہے، آپ یہ رقم اس پر صرف کیجیے---آپ نے فرمایا:

''اپنی آرائش پر خرچ کرنے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ یہ رقم کسی محتاج کی حاجت میں صرف ہو جائے''---

آپ فرمایا کرتے تھے:

''اس بات کو خدا کا انعام سمجھا کرو کہ لوگ تمہارے پاس اپنی حاجات لے کر آئیں، لہٰذا حاجت مندوں کی حاجت پوری کیا کرو''---

ایک دن ایک غریب دیہاتی نے آپ کے دروازے پر اونٹنی کھڑی کی اور یہ شعر لکھ کر اندر بھیجے:

لَمْ یَبْقَ لِیْ شَیْئٌ یُبَاعُ بِحَبَّۃٍ
فَکَفَاکَ مُظْھِرُ حَالَتِیْ عَنْ مُخْبِرِیْ
اَبْقَیْتُ مَاءَ الْوَجْہِ کُنْتُ ضَنَنْتُھَا
مِنْ اَنْ یُبَاعَ فَقَدْ وَجَدْتُ الْمُشْتَرِیْ

''میرے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہ رہی، جس سے ایک دانہ خریدا جا سکے۔ میری حالت آپ پر ظاہر ہے، بتانے کی حاجت نہیں۔میں نے اپنی آبرو بچا رکھی تھی، اسے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا پسند نہ کرتا مگر اب خریدار مل گیا ہے''---

اتفاق سے جواب آنے میں ذرا زیادہ دیر لگ گئی اور اعرابی نے چار مصرعے اور لکھ بھیجے:

مَاذَا اَقُوْلُ اِذَا رَجَعْتُ وَ قِیْلَ لِیْ
مَاذَا اَصَبْتَ مِنَ الْجَوَادِ الْمُفْضِلِ
اِنْ قُلْتُ اَعْطَانِیْ کَذِبْتُ وَاِنْ اَقُلْ
بَخِلَ الْجَوَّادُ بِمَالِہٖ لَمْ یُقْبَلِ

''جب میں لوٹوں گا اور مجھ سے پوچھیں گے کہ صاحب فضل سخی سے تجھے کیا ملا؟ تو کیا جواب دوں گا۔اگر کہوں کہ مجھے دیا ہے، تو جھوٹ ہوگا اور اگر کہوں کہ سخی نے اپنا مال روک لیا ہے، تو یہ بات مانی نہ جائے گی''---

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے دس ہزار درہم کی تھیلی بھیجی اور یہ اشعار بھی ارقام فرمائے:

عَاجَلْتَنَا فَاتَاکَ اَقَلُّ بِرِّنَا
کَلَّا وَاِنْ اَمْهَلْتَنَا لَمْ تُقْلِلِ
خُذْهَا وَ کُنْ اَنْتَ کَمَا لَمْ تَسْئَلِ
وَ نَکُوْنُ نَحْنُ کَاَنَّمَا لَمْ نَفْعَلِ

"تم نے جلدی مچا دی، سو تمہیں یہ قلیل صلہ مل گیا ہے اور اگر تم جلدی نہ کرتے تو تمہیں بہت زیادہ ملتا۔ اب یہ لے لو اور یوں سمجھنا کہ تم نے سوال ہی نہیں کیا اور ہم سمجھیں گے کہ گویا ہم نے کچھ دیا ہی نہیں"---

وہ پردیسی رقم لے کر دعائیں دیتا ہوا چلا گیا---

اپنے محبوب نانا ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بھی غرباء، فقراء اور مساکین سے دلی محبت رکھتے تھے، ضعیفوں اور تنگ دستوں کی مدد فرماتے تھے۔ ایک فارسی مصنف کے الفاظ ہیں:

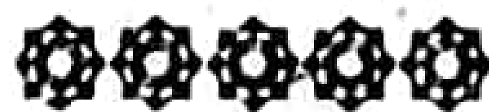
اہل اخبار اتفاق دارند کہ ویس در مہمان نوازی و غریب پروری و اعانت مظلوم و ایصال رحم و انعام فقراء و مساکین مشہور آفاق بود بر ہنہ تناں و حاجت منداں را از نقد و پارچہ امداد فرمودے---

"سیرت نگار بالاتفاق کہتے ہیں کہ آپ مہمان نوازی، غریب پروری، مظلوموں کی مدد، صلہ رحمی اور فقراء و مساکین پر نعمتیں تقسیم کرنے میں مشہور عالم تھے، بے سر و سامان اور حاجت مندوں کی، کپڑے اور نقدی سے مدد فرمایا کرتے تھے"---

بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے، ان کے کام اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ابا جان یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لیے کھانا اور ان کی ضروریات خود اٹھا کر ان کے گھروں تک پہنچاتے تھے، حتیٰ کہ آپ کی پشت مبارک پر نشان پڑ جایا کرتے تھے"---

ان چند سطور کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اسلامی اخلاق کا پیکر کامل اور اپنے وقت میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا صحیح عملی نمونہ تھے، میں دعا کرتا ہوں کہ خدائے کریم مجھے اور سب مسلمانوں کو اس سیرت طاہرہ سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے، آمین---



رفعت رحمت کبریا دیکھیے

رفعت رحمت کبریا دیکھیے
چہرۂ والضحیٰ دل ربا دیکھیے

لائی باد صبا، بوئے شاہِ زمن
جلوۂ احمد مجتبیٰ دیکھیے

شہر طیبہ میں ہر اک کے دل کی صدا
مصطفیٰ، مصطفیٰ، مصطفیٰ دیکھیے

وہ ہیں شمس الضحیٰ، وہ ہیں بدر الدجیٰ
نورِ انوار نور الہدیٰ دیکھیے

سبز گنبد پہ اک نوری جھرمٹ لگا
شہر رحمت کو صبح و مسا دیکھیے

چار سو ان کے جلوے ہیں پھیلے ہوئے
روئے انور پہ جھومر سجا دیکھیے

بزم اقرأ میں جبریل علیہ السلام کی گفتگو
شہر مکہ میں غارِ حرا دیکھیے

یہ ہے سدرہ نشیں اور وہ رب کے قریں
شب اسرا کا پردہ اٹھا دیکھیے

سب ملائک، رسل اور سبھی انبیا
قدس میں مقتدی، مقتدا دیکھیے

ہیں صحابہ ستارے، قمر آپ ہیں
آل، کشتی نوح نجا دیکھیے

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم، شہنشاہ کل
مظہر مصطفیٰ، مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دیکھیے

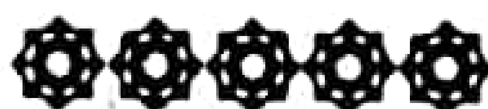
جو بھی دیکھے تجھے بس وہ کہتا رہے
صورت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حق نما دیکھیے

آپ کے جد اعلیٰ کا فیضان ہے
آب زمزم پہ یہ جمگھٹا دیکھیے

ہے مری یہ دعا اور یہی التجا
اپنی امت کو خیر الوریٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیے

قادری ہی نہیں تیرا مدح سرا
بو حنیفہ و غوث و رضا دیکھیے

محمد محبوب الرسول قادری



معارف واسرارِ کربلا

قرآن، حدیث، تاریخ اور دانش کی روشنی میں حافظ ظفر اللہ شفیق کی
ایک معتدل، متوازن، اچھوتی اور ایمان افروز تحریر

قربانی اور خلافت کا سفر

سفر!

دو سفر!

عظمتوں کے سفر!

رفعتوں کے سفر!

ولولوں کے سفر!

جذبوں کے سفر!

اجالوں کے سفر!

کتابِ دہر کے سنہرے سفر!

امتوں کے مایۂ ناز سفر!

تاریخ کے دھاروں کا رخ پھیرنے والے سفر!

الفاظ کو نئے معانی بخشنے والے سفر!

معانی کو نئی وسعتوں سے آشنا کرنے والے سفر!

عمل کی جبین پر نئے عنوان رقم کرنے والے سفر!

ایک قربانی کا سفر اور دوسرا خلافت کا سفر

قربانی

محبت کی قربانی، چاہت کی قربانی، الفت کی قربانی، ذات کی قربانی، وطن کی قربانی، تن کی قربانی، من کی قربانی، دھن کی قربانی، قربت کی قربانی، قرابت کی قربانی، رفاقت کی قربانی، وجاہت کی قربانی، قیادت کی قربانی، سیادت کی قربانی، ''اِلَّا اللّٰہ'' کی قربان گاہ پر ''اِلٰا'' کی شمشیر سے ہر ''اِلٰہ'' کی قربانی!

قربانی کا یہ سفر ہابیل سے شروع ہوا اور کئی مرحلوں سے گزرتا ہوا منیٰ میں پہنچا۔ میدانِ منیٰ میں ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) کی قربانی سے قربانی کو زندگی ملی، تابندگی ملی، اعتبار ملا، قرار ملا لیکن حقیقت فدیے کے پردے میں مستور رہی۔ قربانی کا معنیٰ تو پایا گیا لیکن اس معنیٰ کو ظاہر کا لباس نہ ملا، کیوں کہ ایک طرف جذبۂ قربانی کارفرما تھا تو دوسری طرف دعائے ابراہیمی اپنا کام کر رہی تھی:

﴿رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ﴾---

اور

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ﴾---

اسماعیل پہلے ذبیح قرار پائے اور قربانی کا سفر جاری رہا۔

''اِلَّا اللّٰہ'' کی چوکھٹ پر دوسری عظیم قربانی ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) ہی کے فرزند عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کی دی، لیکن یہ قربانی بھی معنیٰ کی تہ سے ابھر کر ظاہر کی سطح پر نہ آسکی، کیوں کہ ابھی دعائے خلیل جلوہ گر نہ ہوئی تھی۔ سیدنا عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اس سلسلے کے دوسرے ذبیح ٹھہرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ--- ''میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں''---

پھر دعائے خلیل (علیہ السلام) اپنی پوری رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوئی اور قربانی کا سفر جاری رہا۔

ایک وقت آیا کہ اسلام کے سیاسی نظام کو آلودہ کیا گیا، امت کے امتی ڈھانچے کو اموی ڈھانچے میں بدلنے کی کوشش کی گئی، عوام کی آزادی کو سلب کیا گیا اور شاہ، خدا بننے لگا تو اب حقیقت کے ظہور کا وقت آپہنچا:

قربانی معنیٰ کی تہ سے ابھری کہ اب فکر معنوی اللہ سے تھی---
ظاہر کا لباس پہنا اور ملوکیت کا بت پاش پاش کر ڈالا---

یوں میدانِ منیٰ سے قربانی کا یہ سفر سیکڑوں منزلوں سے گزرتا ہوا ہزاروں برس بعد میدانِ کربلا میں ابراہیم واسماعیل کے فرزند، امام حسین اور اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی قربانی پر نقطۂ کمال کو پہنچا اور اس شان سے پہنچا کہ اب قیامت تک یہی قربانی حق وصداقت کا معیار قرار پائی اور نئے مسافروں کے لیے یہی قربانی نشانِ منزل ٹھہری۔

اخلاص جتنا زیادہ ہو، قربانی اتنی ہی مقبول ہوتی ہے اور مقصد جتنا اعلیٰ ہو، قربانی اتنی ہی اعلیٰ اور اولیٰ ہوتی ہے۔ تاریخ انسانی کی شہادت ہے کہ قربانی مرتی نہیں بلکہ امر ہو جاتی ہے، قربانی سے فنا نہیں، بقا حاصل ہوتی ہے۔ کیوں کہ:

"فَنَا فِی اللّٰہ" کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا ، اسے جینا نہیں آتا

اور اہل جہاں آج بھی اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر رہے ہیں:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آیئے! اب ایک نظر خلافت کے سفر پر:

خدا کی زمین پر خدا کا نظام — دنیا میں دین اور دیانت کا نظام
امن، ایمان اور امانت کا نظام — سَلْم، سلام اور اسلام کا نظام
حریت، اخوت اور مساوات کا نظام — عبادت، امامت اور شہادت کا نظام
صداقت، شجاعت اور عدالت کا نظام

خلافت کا یہ سفر اس زمین پر انسانِ اوّل کے روزِ اوّل سے شروع ہوا، ہر نبی اور رسول اپنے اپنے دور میں اسی نظام کے قیام اور استحکام کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ختمی مرتبت محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت ورسالت اپنے نقطۂ کمال پر پہنچ کر ختم ہوگئی اور نظامِ خلافت کے قیام وانصرام کی ذمہ داری امت پر آن پڑی۔

امت کی سطح پر نظامِ خلافت کا یہ سفر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ سے شروع ہوا اور فاروقی، عثمانی اور علوی ادوار سے گزرتا ہوا سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔

اصلاحِ امت کی مصلحت نے خلافت کو صلح کے ذریعے امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھوں میں منتقل کر دیا۔ ہاتھ بدلنے سے رفتہ رفتہ نظام بدل گیا، طرزِ اہتمام بدل گیا، مزاج بدل گیا، منہاج بدل گیا، خلافت دب گئی اور ملوکیت چھا گئی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسی مرحلے پر خلافت کی بقا اور احیاء کے لیے قربانی دی۔ نظام خلافت تو قائم نہ ہوسکا لیکن دائرۂ خلافت ضرور متعین ہو گیا۔ حدود واضح ہو گئیں، مزاجِ خلافت سے سب آشنا ہو گئے، منہاجِ خلافت سب کے لیے روشن ہو گیا۔

یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ قربانی رائیگاں نہیں جاتی، نظامِ خلافت کے لیے دی گئی یہ عظیم قربانی بھی رائیگاں نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ خلافت کے محفوظ، متعین اور مقرر نظام کا سفر جاری ہے، سیکڑوں برس گزر چکے اور نہ معلوم کتنے برس گزریں گے، لیکن ایک وقت ضرور آئے گا اور نبی صادق ومصدوق ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق آئے گا، جب انہیں کی اولاد سے، جن کے ہاتھ سے خلافت لی گئی اور جنھوں نے خلافت کی بقا کے لیے قربانی دی، ایک عظیم شخص پیدا ہوگا، نبی آخرالزماں ﷺ کا ہم نام ہوگا، اس کے والدین ماجدین آپ ﷺ کے والدین کریمین کے ہم نام ہوں گے، اس نسبی عظمت کے ساتھ نسبی رفعت کا حامل ہوگا، سراپا ہدایت ہوگا، جس کی وجہ سے ''مھدی'' کے لقب سے پکارا جائے گا، اس وقت حالات مجبور ہو کر اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے بلکہ یوں کہا جائے کہ حالات نے جس ہاتھ سے خلافت لی، حالات ہی مجبور ہو کر اس کی اولاد کو، گویا اسی کو خلافت واپس کریں گے۔

جب امانت اپنے صحیح مقام پر پہنچے گی اور حق دار کا حق ملے گا تو پھر ایک مرتبہ روئے زمین پر نظامِ خلافت برپا ہوگا اور قرنِ آخر میں قرنِ اوّل کی طرح حالات کی اصلاح کرے گا۔

یوں نبوت (محمدی) کی تصدیق کے ساتھ صدیقِ اوّل الزماں (ابوبکر) سے شروع ہونے والا خلافت کا یہ سفر نبوت (عیسوی) ہی کی تصدیق کے ساتھ صدیق آخرالزمان (مھدی) پر نقطۂ کمال کو پہنچے گا اور دنیا آیۂ اظہار اور آیۂ استخلاف کا ایک عالم گیر منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے گی:

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری　　مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

ملوکیت کے خلاف قیام میں
امام حسین ؓ کی سبقت قابلِ تعجب نہیں

چاروں طرف کفر و شرک کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے، ظلم و جور کا راج تھا، ابراہیم و اسماعیل کی امانت بت خانہ بن چکی تھی، رسوم و اوہام کی تاریکیاں اتنی گہری اور سیاہ کہ ہاتھ کو ہاتھ بجھائی نہ دیتا تھا، اس گھمبیر ماحول اور بھیانک فضا میں ایک آواز گونجتی ہے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

صرف ایک آواز، تنہا، لیکن پُر عزم آواز!

یہ حسین کے جد امجد محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز تھی۔ اس آواز پر سب سے پہلے ایک بچہ کان دھرتا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کی آغوشِ رحمت میں پلا ہوا بچہ، آپ ﷺ کی شفقتوں اور محبتوں کا مرکز بچہ۔ یہ بچہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی آواز سن کر سب سے پہلے اسے تسلیم کرتا ہے اور مسلمِ اوّل ہونے کا اعزاز حاصل کرتا ہے:

یہ سابق الی الاسلام حسین ؓ ہی کے پدر بزرگوار علی ؓ ہیں۔

یوں تو سبھی قرابت دار بیٹھے ہوئے ہیں، جہاں دیدہ، فہمیدہ، گرم و سرد چشیدہ، رسالت اپنی رفاقت کی دعوت دے رہی ہے اور اس پر بشارت سنا رہی ہے، لیکن جواب میں ایک خاموشی ہے، ایک سناٹا ہے، بڑی معنی خیز خاموشی، بہت مصلحت آمیز سناٹا۔ اس سناٹے کو ایک ہی آواز توڑتی ہے اور رفاقت و معیت کی بشارت سے سرفراز ہو جاتی ہے۔

اس حلقے کی یہ پہلی اور آخری آواز حسین ؓ ہی کے بابا علی ؓ کی آواز تھی۔

دشمن نے گھر گھیرا ہوا ہے، تلواروں کی چمک دکھائی دے رہی ہے، قتل کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، ایسے میں ایک شخص تن تنہا، رسول اکرم ﷺ کے امر سے، بسترِ رسالت پر بے خوف و خطر لیٹ جاتا ہے، کس لیے؟ رسول صادق و امین ﷺ کی امانتوں کی حفاظت کے لیے، امانتوں کو حق داروں تک پہنچانے کے لیے۔

رسول امین ﷺ کی امانتوں کے یہ امینِ اوّل اور محافظِ اوّل حسین ؓ ہی کے بابا تھے، سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ

بدر کا میدان ہے، یوم الفرقان ہے، ایک سے ایک بڑھ کر وفادار اور جان نثار بہادر موجود ہیں، لیکن سب سے پہلے جو دشمن سے مبارزت طلب ہوئے:

وہ حسین ؓ ہی کے بابا علی ؓ تھے۔

اُحد میں رسول اللہ ﷺ کی آواز پر سب سے پہلے دشمنان اسلام پر لپکنے اور جھپٹنے کا اعزاز جسے حاصل ہوا۔

وہ حسین ؓ ہی کے بابا علی ؓ تھے۔

احزاب متحدہ محاذ بنا کر مدینے کو گھیرے ہوئے ہیں، ایک زلزال شدید کی کیفیت طاری ہے، عرب سورما عمرو بن عبد وڈ خندق عبور کرنے کی کوشش کرتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے امر عالی سے خندق میں اتر کر دشمن کو جس نے ٹھکانے لگایا اور احزاب کے حوصلے جس نے پست کر دیے:

یہ پہلا بہادر علی ؓ ہی تھا، حسین ؓ کا بابا۔

خیبر فتح نہیں ہو رہا، محاصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے، آوازِ نبوت بلند ہوتی ہے:

''کل میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول اس سے محبت کرتے ہیں'' ---

اگلی صبح نگاہِ نبوت کا شرف انتخاب جسے حاصل ہوا اور اپنی نوعیت کے پہلے اور تنہا اعزاز یافتہ جو قرار پائے:

وہ حسین ؓ ہی کے بابا علی ؓ تھے۔

مرحب جیسے شہ زور کو ایک وار میں زیر کرنے اور خیبر کا بھاری دروازہ تنہا اکھیڑنے کی سعادت جسے حاصل ہوئی:

وہ حسین ؓ ہی کے بابا علی ؓ تھے۔

دوشِ نبوت پر سوار ہو کر کفر وشرک کی علامات سے اللہ تعالیٰ کا گھر پاک کرنے کی کرامت سے جو مکرّم ہوا:

وہ حسین ؓ ہی کے بابا علی ؓ تھے۔

''مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ'' کا طرۂ امتیاز:

حسین ؓ ہی کے بابا ؓ کے سر سجا۔

''اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى'' کی قربت:

حسین ؓ ہی کے بابا کو ملی۔

لسانِ نبوت سے ''سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ'' ہونے کا شرف:

حسین رضی اللہ عنہ ہی کی اماں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوا۔

یوں تو عبادت اور عفت وعصمت کے نور سے منور بہت سے جنازے اٹھے، لیکن جنازہ لکڑی کے ڈولے میں ڈھانپ کر لے جانے اور شب کی تاریکی میں دفنانے کی شرم وحیا سے معمور وصیت:

سب سے پہلے حسین رضی اللہ عنہ ہی کی اماں جان سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کی۔

اور غالباً اسی کے صلے میں اور اس حیا کی لاج رکھتے ہوئے قیامت کے دن یہ اعزاز صرف حسین رضی اللہ عنہ ہی کی اماں کے حصے میں آئے گا کہ سراپردۂ جلال سے ایک پکارنے والا پکارے گا:

''محشر میں جمع ہونے والو! اپنی نگاہیں نیچی رکھو، یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) گزر جائیں''---

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کو جن کی سواری بنایا:

وہ صرف حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہی تھے۔

''سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ'' کا تمغہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جن کے سینے پر سجایا:

وہ صرف حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہی تھے۔

لشکرِ جرار ہونے کے باوجود امت کے مفاد کی خاطر اقتدار سے دست بردار ہونے کی اوّلین مثال:

حسین رضی اللہ عنہ ہی کے بھائی حسن رضی اللہ عنہ نے قائم کی۔

سبقتوں، خصوصیتوں اور اعزازوں کے اس طویل اور تابناک پس منظر میں ملوکیت کا خطرہ اگر حسین رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بھانپا، اُس کے انسداد کے لیے اگر حسین رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے قیام فرمایا، خلافت کے احیاء کے لیے اگر حسین رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے قدم اٹھایا اور ملوکیت کی بنیادوں کو بے مثال قربانی دے کر اگر حسین رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ہلایا، تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سبقت حسین رضی اللہ عنہ کے دودمانِ والاشان کی ریت تھی۔

سوچیے! بابا کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت کی حفاظت حسین رضی اللہ عنہ نہ کرتے تو کون کرتا؟

بابا کی طرح دین کی نصرت کے لیے سب سے پہلے حسین رضی اللہ عنہ نہ بڑھتے تو کون بڑھتا؟

اپنے جدامجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اس ظلمت میں ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کا اجالا حسین رضی اللہ عنہ نہ بکھیرتے تو کون بکھیرتا؟

اس وقت حسین جیسا کون تھا؟ کوئی نہ تھا، کوئی نہ تھا۔

اس لیے ملوکیت کے خلاف قیام میں شرف سبقت بجا طور پر حسین رضی اللہ عنہ ہی کی قسمت بنا اور

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ o اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ o فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ o﴾---

''یہ جو آگے رہنے والے ہیں نا آگے رہنے والے، نعمتوں بھری جنتوں میں بھی یہی آگے آگے (مقربین) ہوں گے''---

عزمِ حسینی عزمِ صدیقی کا نمونہ ھے

امت کی زندگی میں دو وقت بڑے کڑے اور نازک آئے:

پہلا وقت رسول اللہ ﷺ کی وفاتِ حسرت آیات کا تھا۔

ایک طرف امت صدمے سے نڈھال تھی، دوسری طرف فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔ کہیں ارتداد کی وبا پھوٹ پڑی، کہیں نبوت کے مقدس عنوان سے مہم جوئیاں ہونے لگیں، رہی سہی کسر منعِ زکوٰۃ کے فتنے نے پوری کردی۔ یہ لوگ کلمہ تو پڑھتے تھے لیکن خلافت کو زکوٰۃ دینا لازم نہیں سمجھتے تھے اور کچھ لوگ سیاسی گھاگ تھے، انتظار کررہے تھے کہ پانسہ کس طرف پلٹتا ہے۔

تیسری طرف لشکرِ اسامہ کی روانگی کا معاملہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسے روانگی کا حکم دے چکے تھے، لشکر ابھی روانہ نہ ہوا تھا کہ آپ ﷺ اس دنیا سے روانہ ہوگئے، اس بدلی ہوئی صورتِ حال میں یہ لشکر بھیجا جائے یا مدینے کی حفاظت اور مرتدین کے مقابلے کے لیے روکا جائے؟

اس گھمبیر صورتِ حال میں سب پریشان تھے، کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا، البتہ ایک شخصیت تھی جو ان تمام مراحل میں حوصلہ مند، پُرعزم اور ثابت قدم رہی اور یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت تھی۔

وفات کے صدمے میں فرمایا:

''سنو! جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا تو محمد (ﷺ) وفات پاگئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، کبھی نہیں مرے گا''---

اس حوصلہ افزا اور ایمان افروز جملے سے ڈھارس بندھی، حوصلے قائم ہوئے۔ لشکرِ اسامہ کے بارے میں بلند مرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ اسے روانہ نہ کیا جائے، صورتِ حال بہت نازک اور خطرناک ہے۔ فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ بھی معلوم ہوجائے کہ درندے مجھے اس قریے میں آ جھنجھوڑیں گے، تو بھی میں اس لشکر کو روانہ کرکے

رہوں گا جس کی روانگی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا اور جو پرچم رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے باندھا، میں اسے ہرگز نہیں کھولوں گا"---

مرتدین اور مدعیانِ نبوت کے خلاف جہاد کا معاملہ تو واضح تھا، لیکن مانعین زکوٰۃ کے خلاف اقدام میں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو بھی اس وجہ سے تردّد تھا کہ یہ تو لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہیں۔ فرمایا:

"اللہ کی قسم، جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا، میں اس سے ضرور قتال کروں گا، زکوٰۃ مال کا حق ہے، اگر یہ زکوٰۃ میں رسول اللہ ﷺ کو بھیڑ کا بچہ دیتے تھے اور اب مجھے نہیں دیں گے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا"---

یہ بھی مشورہ دیا گیا کہ لوگوں سے نرمی برتیے، اس سال کی زکوٰۃ کو چھوڑ دیجیے۔ فرمایا:

"وحی بند ہو چکی، دین پورا ہو چکا، اب دین میں کمی ہو اور میں زندہ رہوں، یہ نہیں ہو سکتا"---

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"اللہ کی قسم، ابو بکر کا یہ عزم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کے معاملے میں ابو بکر کا شرح صدر فرما دیا ہے اور انھیں کی رائے حق ہے۔ اللہ کی قسم، مرتدین کے ساتھ قتال کے باب میں ابو بکر کا ایمان پوری امت کے ایمان پر بھاری رہا"---

[بخاری، باب وجوب الزکوٰۃ/مختصر سیرۃ الرسول، صفحہ ۴۷۲، ۴۷۳]

یہ پہلا کڑا وقت تھا، ایک طرف تنہا ابو بکر، دوسری طرف پوری امت اور امت بھی خیر القرون۔ لیکن آئندہ حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ انھی کا عزم مبارک تھا، انھی کی رائے برحق تھی، انھی کی سوچ صحیح سمت میں کام کر رہی تھی، انھی کی عزیمت اور آہنی عزم نے فتنوں کا سدِ باب کیا، انھیں بروقت اور صحیح شرح صدر ہوا یہاں تک کہ پھر سب کو اس بارے میں شرح صدر ہو گیا۔

امت پر دوسرا کڑا وقت وہ تھا، جب امت کے سیاسی نظام کا کانٹا بدلا گیا اور گاڑی کو خلافت کی پٹڑی سے اتار کر ملوکیت پر ڈالنے کی ارادی اور شعوری کوشش کی گئی۔ یہ بڑی بھیانک سازش تھی، ہر شعبے کی بدعت کا اپنا خاص رنگ ہوتا ہے اور ہر شخص ہر بدعت کو کہاں سمجھ سکتا ہے، چنانچہ سب سے پہلے اس پر جو اصحاب کرام رضی اللہ عنہم معترض ہوئے، یہ وہ تھے جو امت کا سیاسی نظام سمجھتے تھے، خلافت کی آغوش میں پلے تھے، خلافتِ راشدہ کے مزاج شناس تھے، رسول اللہ ﷺ کی قربت،

صحبت، شفقت اور تربیت سے مشرف تھے، علم و شعور اور تقویٰ و ورع کے اوصاف حسنہ سے آراستہ تھے، یہ تھے ابو بکر کے بیٹے عبدالرحمٰن، عمر کے بیٹے عبداللہ، علی کے بیٹے حسین، زبیر کے بیٹے عبداللہ، عبداللہ بن عباس بھی انہی کے ہم نوا تھے۔ جب یزید کی بیعت کا وقت آیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس نے رخصت کی راہ اپنائی، عبداللہ بن زبیر کا اپنا ایک انداز تھا، جلیل القدر صحابہ کرام ﷺ اپنے مولا کے حضور پہنچ چکے تھے، چند گنے چنے صحابہ ﷺ جو باقی تھے، وہ بڑھاپے کی آخری منزلیں طے کر رہے تھے، خود امام حسین ﷺ جو تمام صحابہ کرام ﷺ میں کم عمر تھے، ۵۶ برس سے تجاوز کر چکے تھے۔ پھر امیر المومنین حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان خون ریز جنگوں میں امت کا جو بے پناہ نقصان ہوا، وہ ان حضرات کے سامنے تھا، اس لیے ان قدسی صفات نے نہایت نیک نیتی سے امت کو ایک اور جنگ سے بچانے کے لیے سکوت اور رخصت پر عمل کیا۔

ان حالات میں تنہا امام حسین ﷺ تھے، جنھوں نے ملوکیت کے مفاسد کا فوری ادراک کیا، عزیمت کی راہ اپنائی اور اس کے انسداد کے لیے بروقت قیام فرمایا اور قیام بھی اس شان سے کہ امت کو جنگ و جدال کی تباہی سے بھی بچایا اور خود اپنی اور اپنے گھرانے کی قربانی دے کر خلافت و ملوکیت اور حق و باطل کے درمیان فرق بھی امت کو سمجھا دیا۔ چنانچہ میدانِ کربلا میں امام حسین ﷺ اقدام نہیں کرتے بلکہ تا دمِ آخر دفاع میں تلوار اٹھاتے ہیں کہ مقصود اس حکم ربانی کی تعمیل تھی:

﴿لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ٥﴾---[البقرہ:۴۲]

"حق و باطل کے ساتھ خلط نہ کرو (اور نہ خلط ہونے دو) اور جانتے بوجھتے حق مت چھپاؤ"---

باطل دوئی پسند ہے ، حق لا شریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

اس موقع پر پرکشش پیش کش بھی ہوئی، لیکن آپ نے قرآن مجید کے اس حکم کی عملی تفسیر کی:

﴿لَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ٥ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ٥﴾---[القلم:۸،۹]

"ان حق جھٹلانے والوں کا کہنا مت مان، یہ تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح تو نرم پڑ جائے تو یہ بھی نرم ہوں"---

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے رخصت اور سمجھوتے کی راہ اختیار نہیں کی اور ایسے بے مثال انداز سے حق و باطل میں تفریق کر دی کہ اب قیامت تک اس میں التباس نہیں ہو سکتا۔

تاریخِ اسلام کے اس کڑے مرحلے میں آپ تنہا تھے لیکن آپ کو ویسا ہی شرح صدر ہوا جیسا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا اور آئندہ حالات و واقعات نے تصدیق کر دی کہ آپ کا قیام بجا اور آپ کا شرح صدر بروقت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صلحاء امت میں کسی نے آپ کے قیام کو غلط نہیں کہا۔

آپ کی قربانی کے بعد امت میں بیداری کی لہر دوڑ گئی، ملوکیت سے نفرت گہری ہو گئی، لا الٰہ الّا اللہ کے مفہوم کی وسعت لوگوں پر آشکارا ہو گئی اور چند ہی برس میں اس کا مثبت نتیجہ بھی سامنے آ گیا اور آج جب شعور کی آنکھ کھلی ہے، عوام کو اپنے حقوق کا احساس ہوا ہے، آمریت و ملوکیت کا جوا لوگ اپنے کندھوں سے اتار پھینک رہے ہیں اور جبر و استبداد کی بیڑیاں توڑ رہے ہیں تو ہر قوم پکار رہی ہے:

حسین ہمارے ہیں

الغرض عہد اوّل میں دو کڑے وقت آئے، ایک میں عزمِ صدیقی نے سنبھالا دیا، دوسرے میں عزمِ حسینی کام آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا عزم، عزمِ صدیقی ہی کا عکسِ صادق تھا۔ اقبال آپ کے عزم و استقلال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیر و کام گار

امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی اور جرأت کے حوالے سے لوگ اب جو باتیں بنا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نگاہ میں حسین رضی اللہ عنہ ہار گئے، ان کی کوتاہ بین نگاہیں شہادت کو شکست دیکھتی ہیں، حقیقت یہ نہیں، اہل حق مومن تو ہر حال میں کامیاب ہے، غازی ہو یا شہید، منزل تک پہنچ جائے یا راہ میں کام آ جائے۔

یہ لوگ ابوبکر کی تعریف و توصیف آج اس لیے کر رہے ہیں کہ وہاں ظاہری اعتبار سے بھی فتح ہوئی۔ اگر بالفرض وہاں صورت حال اس کے برعکس ہوتی تو یہ کج فہم اور ظاہر پرست آج ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی باتیں بنا رہے ہوتے کہ انھوں نے اتنے عظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات نہ مانی اور من مانی کی، اس لیے امت کو اتنا نقصان اٹھانا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران، نساء اور توبہ میں کچھ لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو فتح حاصل ہونے پر تعریف کے ڈونگرے برساتے تھے اور موجود نہ ہونے کے باوجود اپنی موجودگی دکھاتے تھے اور

نقصان کی صورت میں اپنی غیر حاضری کو اپنی سیاسی دانش اور دوراندیشی کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔

حسینی عزم پر آج اعتراض کرنے والوں کو اپنا دامن ٹٹولنا چاہیے، کہیں اسی مرض نے وہاں انڈے بچے نہ دے رکھے ہوں:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

سیدنا ابوبکر اور سیدنا حسین کا شرح صدر

تاریخِ اسلام کے ان دو کڑے وقتوں میں صرف ابوبکر اور صرف حسین کو شرحِ صدر ہوا، یہ سعادت کسی اور کو نصیب نہ ہوئی، یہ سوچنے کی بات ہے۔

غور کیجیے تو سمجھ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جیسے اپنی ظاہری اور دنیوی حیات میں کارِ امت انجام دیتے تھے، مشکلات میں رہنمائی فرماتے تھے اور پریشانیوں میں دل داری کرتے تھے، وفات کے بعد برزخی حیات میں آپ ﷺ کا فیض جاری ہے۔ آج بھی آپ ﷺ کسی نہ کسی رنگ میں کسی نہ کسی ذریعے امت کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

مذکورہ دو کڑے وقتوں میں ابوبکر اور حسین کا شرحِ صدر درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا فیضِ ہدایت اور آپ ﷺ کی روحانی نصرت تھی، جو ان دو صحابیوں کے وسیلے سے امت کو حاصل ہوئی، جو اپنے اپنے عہد میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مقرب اور محبوب تھے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قربت اور محبت محتاجِ بیان نہیں

اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے دور میں حسین رضی اللہ عنہ کے سوا کون تھا، جس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی محبتوں کا خزانہ ہو

نبوی فراست جس کی آنکھوں میں دمک رہی ہو
علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت جس کے کردار میں چمک رہی ہو
فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تربیت جس کی سیرت میں مہک رہی ہو

یہ صرف حسین رضی اللہ عنہ ہی تھے، اس لیے انھی دونوں کو اپنے اپنے دور میں شرحِ صدر ہوا اور پھر وقت کی کسوٹی نے ثابت کر دیا کہ یہی اس کام کے اہل تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا وہ انھی کا حصہ تھا، حسین رضی اللہ عنہ نے جو قدم اٹھایا، وہ انھی کے لائق تھا۔

ابوبکر کے اقدام کے بعد ارتداد، بغاوت اور ادعائے نبوت کے فتنے دم توڑ گئے اور حقیقت

کھل گئی، اسی طرح حسین ؓ کے اقدام کے بعد آمریت کو عزت اور ملوکیت کو کبھی ثبات حاصل نہ ہو سکا اور خلافت وملوکیت کی حقیقت عالم آشکارا ہو گئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دو عظیم قربانیوں کے سبب--- دو خواب

تاریخ انسانی کی دو قربانیاں نہایت عظمت واہمیت رکھتی ہیں، ایک ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانی اور دوسری امام حسین ؓ کی قربانی۔

ابراہیم قربانی کرنے پر اور اسماعیل قربان ہونے پر کیسے آمادہ ہوئے؟ اس کا سبب ایک خواب تھا۔ قرآن کا بیان ہے:

''پھر جب وہ (لڑکا) اس کے ساتھ دوڑنے بھاگنے کی عمر کو پہنچا تو کہا، میرے پیارے بیٹے! میں خواب دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، سو دیکھ سوچ تیری کیا رائے ہے؟

اس نے کہا، میرے پیارے ابا! کر گزریے جو آپ کو حکم ملا ہے، آپ بہت جلد مجھے ان شاء اللہ صابروں سے پائیں گے''---[الصافات:۱۰۲]

چنانچہ دونوں نے سرِ تسلیم جھکا دیا اور یوں خواب کی تعبیر میں ایک عظیم قربانی وجود میں آئی۔

دوسری عظیم قربانی کا سبب بھی ایک خواب تھا۔ علی بن الحسین بن علی سلام اللہ ورضوانہ علیہم سے روایت ہے کہ جب روکنے والوں نے روکا تو حضرت امام حسین ؓ نے سب باتوں کے جواب میں ایک بات فرمائی:

اِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فِی الْمَنَامِ وَ قَدْ أَمَرَنِیْ فِیْھَا بِأَمْرٍ وَ اَنَا مَاضٍ لَہٗ، عَلَیَّ کَانَ اَوْ لِیَ---

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے، آپ ﷺ نے تاکید کے ساتھ اس میں مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے، اب بہر حال میں یہ کام کروں گا، مجھے نقصان ہو یا فائدہ''---

پوچھنے والوں نے پوچھا: ''وہ خواب کیا ہے؟''---فرمایا:

مَا حَدَّثْتُ بِھَا أَحَدًا وَ مَا اَنَا مُحَدِّثٌ بِھَا حَتّٰی اَلْقٰی رَبِّیْ عَزَّ وَ جَلَّ---[طبری: جلد۵، ۳۸۸/ البدایہ والنہایہ، جلد۸، صفحہ۱۶۸]

''ابھی تک کسی کو نہیں بتلایا اور نہ ہی بتلاؤں گا یہاں تک کہ اپنے رب ﷻ سے جا ملوں گا''۔۔۔

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بھی خواب میں حکم ملا، امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی خواب میں حکم ملا، سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے جو جواب دیا تھا، امام حسین رضی اللہ عنہ کے جواب میں بھی اسی عزم اور صبر و رضا کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کا یہ خواب اور جواب ﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ﴾[آل عمران:۳۴] کی ایک اور برہان فراہم کرتا ہے۔ یہ خواب ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

''جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری مثال میں نہیں آ سکتا''۔۔۔[مشکوٰۃ، باب الرؤیا]

غیر صحابی کو جب خواب میں زیارت ہو تو صرف ظن غالب کے درجے میں ہے، خواب میں نظر آنے والا سراپا، شمائل کی روایات کے مطابق ہو اور ارشادِ شریعت کے مطابق ہو تو قبول ہے ورنہ نہیں۔

حدیث مذکور کا مصداق کامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جب کوئی صحابی خواب میں آپ ﷺ کی زیارت کرتا ہے تو وہ آپ ﷺ ہی کی زیارت کرتا ہے اور صحابی کو خواب میں جو کچھ فرمایا جائے وہ یوں ہی ہے گویا حیات میں فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ کے حیاتِ دنیوی کے حکم کی حیثیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اللہ ﷻ کی اطاعت ہے، کیوں کہ آپ ﷺ اپنی خواہش سے نطق نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ کا کلام وحیِ الٰہی ہوتی تھی۔ اسی لیے شاہ عبدالقادر دہلوی، سورۃ الاحزاب:۶ کی توضیح میں فرماتے ہیں:

''نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف اتنا نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے، اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں، نبی حکم دے دے تو فرض ہو جائے''۔۔۔[فوائد عثمانی]

تو امام حسین رضی اللہ عنہ کو خواب میں جو امر ملا تھا وہ درحقیقت امر الٰہی تھا، اس کی تعمیل فرضِ عین۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے جواب میں لقائے رسول کا نہیں بلکہ لقائے الٰہی کا ذکر کیا ہے۔

یہ خواب کیا تھا؟ مکہ سے کربلا کا پورا سفر اس کی تعبیر ہے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی اپنے خانوادے کے ساتھ شہادت اس روایت کی اسنادی حیثیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی تعبیر دس ذوالحجہ کو پوری ہوئی اور حسین رضی اللہ عنہ کا خواب دس محرم کو تعبیر سے آشنا ہوا، دونوں خوابوں کی تعبیر قربانی تھی، اس لیے کہنے کو تو یہ دو خواب ہیں لیکن فی الحقیقت ایک ہی خواب ہے۔ دس ذوالحجہ کو میدانِ منیٰ میں یہ خواب اپنے ظاہر میں رونما ہوا اور دس محرم کو سرزمین کربلا پر اپنی باطنی حقیقت کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ یوں باپ نے جس طرزِ قربانی کا آغاز کیا تھا، بیٹے نے پوری تابانیوں کے ساتھ اس عظیم سنت کو مکمل کیا:

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

آپ کی قربانی کی تابانی تو دیکھیے، اب تک کسی نے وطن کی قربانی دی، کسی نے اولاد قربان کی، کوئی مال کا نذرانہ لے کر حاضر ہوا، کسی نے اقتدار پر لات ماری، کوئی اعزہ واقارب سے چھوٹا، کوئی صرف خود قربان ہوا، لیکن حسین نے وطن، اولاد، اعزہ واقارب، دولت ووجاہت، جذبات اور خود اپنی ذات کی قربانی پیش کی۔

حسین رضی اللہ عنہ سے پہلے گل قربان ہوتے تھے، حسین رضی اللہ عنہ نے گلشن قربان کیا۔

اسماعیل علیہ السلام سے جس سنت کی ابتداء ہوئی تھی، حسین رضی اللہ عنہ پر اس کی انتہا ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے خواب سچا کر دکھلایا تو جزا کیا ملی؟ قرآن کہتا ہے:

ہم نے آنے والی نسلوں کے دل میں ڈال دیا کہ انھیں یوں خراج تحسین پیش کریں:

﴿سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ۝﴾---

حسین رضی اللہ عنہ نے خواب سچ کر دکھایا تو آج مشرق ومغرب سے، شمال وجنوب سے، زمین و آسمان سے یہ صدا بلند ہو رہی ہے:

"سَلَامٌ عَلٰی حُسَیْنٍ"---

حسین تیری جرأت کو سلام --- حسین تیری صداقت کو سلام
حسین تیری شجاعت کو سلام --- حسین تیری قیادت کو سلام
حسین تیری امامت کو سلام --- حسین تیری استقامت کو سلام
حسین تیری شہادت کو سلام

روح قربانی عشق ہے

اسلام نام ہے وفا شعاری اور جاں سپاری کا۔ مسلم وہ ہے جو اپنے مالکِ حقیقی کے ہر حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دے اور اس کی تعمیل میں اپنا تن، من، دھن قربان کر دے۔

متاعِ زندگی کی یہ ہمہ جہت قربانی سوزِ عشق اور جذبۂ وفا کے بغیر ممکن نہیں، تو اسلام کی روح قربانی ہے اور قربانی کی روح عشق ہے۔

قربانی جب عشقِ الٰہی سے سرشار ہوتی ہے تو شہادت بن جاتی ہے۔

شہادت، اللہ کے الٰہ ہونے پر، شہادت اسی کے خالق و مالک ہونے پر، شہادت اسی کے حاکم و مختار ہونے پر، شہادت اسی کے موجود و محبوب ہونے پر۔

مومن کا مقصودِ زندگی شہادت ہے اور مومن سے مطلوبِ الٰہی بھی شہادت ہے:

چناں خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی
مقامِ بندگی دیگر ، مقامِ عاشقی دیگر
ز نوری سجدہ می خواہی ، ز خاکی بیش ازاں خواہی [کلیاتِ اقبال: ۴۳۵]

صفحۂ دہر پر جب کوئی شہادت جلوہ گر ہوتی ہے تو اس کے نور سے جہان روشن ہو جاتا ہے اور پورا چمن اس کی خوش بو سے مہک اٹھتا ہے اور خود شہید امر ہو جاتا ہے، سب کے لیے فنا ہے لیکن ذاتِ حی و قیوم کے عشق میں قربان ہونے والے کے لیے فنا نہیں۔

ابراہیم و اسماعیل اور حسین علیہم السلام کی قربانیوں میں یہی جذبۂ عشق و محبت کارفرما تھا، اسی لیے یہ قربانیاں آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گی۔

سورۃ العصر کی روشنی میں حسین "امام العصر" ہیں

دنیا پرستوں کی نگاہ میں کامیابی چار چیزوں سے حاصل ہوتی ہے:

(۱)......دولت (۲)......قوت (۳)......وجاہت (۴)......حکومت

دولت کا نتیجہ وجاہت ہے اور قوت سے حکومت ملتی ہے۔ دولت اور قوت کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور وجاہت و حکومت کا ابنائے جنس سے۔ اہلِ دنیا کے یہاں حاصلِ زندگی یہی چار چیزیں ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ ﷻ سورۃ العصر میں عصر کی قسم اٹھا کر اور تاریخِ عصر کو شاہد بنا کر فرماتا ہے کہ سب انسان ناکام، دولت والے بھی ناکام، قوت والے بھی ناکام، وجاہت والے بھی ناکام،

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَهٗ

حکومت والے بھی ناکام، سب خسارے میں، کامیاب صرف وہ ہیں جن میں چار اوصاف پائے جائیں اور یہ چار اوصاف مادّی اوصاف کے مقابل اور اسی ترتیب سے ہیں:

ایمان

اللہ تعالیٰ ﷻ کے معبودِ مطلق اور حاکمِ مطلق ہونے پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور قوتوں کا یقین، اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا یقین۔

عمل صالح

ایمان کی کیفیت صرف دل میں نہ رہے، بلکہ اعضاء و جوارح اور ان سے صادر ہونے والے اعمال و افعال اس کے مطابق ڈھل جائیں، ایمان و یقین کا نور ظاہری اعمال سے جھلکتا دکھائی دے۔

اسلام کے عملی ارکانِ اربعہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اسی ایمان کی تکمیل و حفاظت کے لیے ہیں اور ایمان کا بیج جب دل میں جڑ پکڑ لیتا ہے تو اعمالِ صالحہ کے برگ و بار لاتا ہے۔ ان دو چیزوں یعنی ایمان اور عمل صالح کا تعلق تکمیلِ ذات سے ہے۔

لیکن مکمل کامیابی صرف تکمیلِ ذات ہی سے نہیں ہوتی، جب تک تکمیلِ ذوات یعنی تکمیلِ معاشرہ کی کوشش نہ کی جائے، جو ہدایت خود پائی ہے اسے دوسروں تک نہ پہنچایا جائے، جس نور سے خود منور ہوا ہے اس کے اجالے سے جب تک ماحول روشن نہ ہو جائے تو کامیابی کیسی؟ اس مکمل کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ ﷻ نے دو چیزیں ارشاد فرمائیں:

تواصی بالحق

ایک دوسرے کو حق کی وصیت، حق کی نصیحت، ایمان اور عملِ صالح کی زندگی اختیار کرنے کی تاکید، اس بارے میں فکری، نظری، علمی شبہات کے ازالے کی کوشش۔

تواصی بالصبر

ایک دوسرے کو صبر کی وصیت و نصیحت، ایمان اور عملِ صالح پر بہر حال کاربند رہنے کی تاکید، شہوات و لذات کے پھندوں سے بچتے رہنے کی تلقین، حق کی راہ میں مشکلات و مصائب برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی۔

جس معاشرے میں حق اور صبر کی ان باہم وصیتوں کا چلن ہو، اللہ تعالیٰ ﷻ کی نظر میں بس وہی معاشرہ کامیاب ہے۔ ان میں تواصی بالحق کا ایمان سے گہرا تعلق ہے اور تواصی بالصبر کا عملِ صالح سے، جیسے وجاہت دولت کا نتیجہ ہے اور حکومت قوت کا ثمر۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیزیں دو ہیں، ایمان اور عملِ صالح، جیسے ماڈی اعتبار سے دولت اور قوت بنیادی چیزیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ عصر میں جو چار عناصرِ فلاح ذکر فرمائے ہیں، یہ مذکورہ چار مادی عناصر کے لیے بہترین اصلاح اور کارگر علاج ہیں۔

دولت کا مقابلہ ایمان سے کیا جائے اور قوت کا مقابلہ عملِ صالح سے، وجاہت کی چالوں کو تواصی بالحق سے ناکام کیا جائے اور حکومت کی قہر سامانیوں کو تواصی بالصبر سے ندامت آلود کر دیا جائے۔

یہ چاروں ماڈی عناصر اگر چاروں عناصرِ فلاح کے تابع ہو کر ان کے فروغ و استحکام کے لیے استعمال ہوں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ ﷻ کی نعمتیں ہیں، لیکن عناصرِ فلاح سے مجرد یہ ماڈی عناصر انسان کو ناکامی، دائمی ناکامی اور ابدی خسران سے بچا نہیں سکتے۔

قرآن نے عصر کی قسم اٹھا کر صرف دعویٰ ہی نہیں کیا، بلکہ تاریخِ عصر سے اس کی شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آیئے! صحیفۂ ہدایت کی روشنی میں کامیاب اور ناکام لوگوں کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں:

۱ قابیل نے قوت کے بل بوتے پر ہابیل کو قتل کیا، ہابیل نے شرافت اور عملِ صالح کا دامن نہ چھوڑا، قتل ہابیل ہوا لیکن قرآن کہتا ہے:

﴿فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾---[المائدہ:۳۰]

خسارے میں قابیل رہا۔ سچ ہے ایمان اور عملِ صالح کے بغیر ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ۝﴾

۲ نوح علیہ السلام اور قوم کی کشمکش میں بھی قوت، وجاہت ہار گئی، نوح علیہ السلام اور ان کے رفقاء یعنی ایمان اور عملِ صالح کی جیت ہوئی۔ پہاڑ یعنی غیر کا سہارا لینے والا ڈوب گیا، کیوں کہ:

﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۝﴾[ھود:۴۶] کشتی یعنی ایمان اور عملِ صالح کی پناہ میں آنے والے بچ گئے۔ جو لوگ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کرتے رہے، کامیاب ہوئے، جن لوگوں نے ان وصیتوں پر کان نہ دھرے، اندھے، بہرے بنے رہے، ناکام ہوئے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ۝﴾---الاعراف:۶۴/نوح:۷]

۳ ھود علیہ السلام ایمان اور عملِ صالح کی دعوت دیتے رہے، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کرتے رہے، جن لوگوں نے مانا، کامیاب رہے، جن لوگوں نے نہ مانا، قوت و طاقت کے باوجود ناکام رہے۔[اعراف ۷۲]

۴ صالح علیہ السلام بھی ایمان اور عملِ صالح کی طرف بلاتے رہے، لیکن ثمود اپنی قوت

اور ہنر کے نشے میں مست رہے۔صالح علیہ السلام کی نصیحتوں کو ذرّہ برابر خاطر میں نہ لائے:

﴿نَصَحْتُ لَکُمْ وَ لٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ٥﴾---[اعراف:۷۹]

پھر تاریخ قرآنی بتلاتی ہے کہ ایمان اور عملِ صالح کی جیت ہوئی اور قوت اور ہنرمندی کچھ کام نہ آئی۔[اعراف:۷۸]

۵ لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی کشمکش میں بھی ایمان اور عملِ صالح بالآخر کامیاب رہا، کفر اور عملِ سوء تباہ و برباد ہوا۔[اعراف:۸۳،۸۴]

۶ شعیب علیہ السلام ایمان و عملِ صالح کی طرف بلاتے تھے، اہلِ مدین صرف دولت ہی کو اپنا حاصلِ زندگی بنائے ہوئے تھے اور جن خوش نصیبوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات مانی، انھیں کہتے تھے کہ تم خسارے میں رہو گے:

﴿لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّکُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ٥﴾---[اعراف:۹۰]

لیکن انجام کار: ﴿کَانُوْا ھُمُ الْخٰسِرِیْنَ٥﴾---[اعراف:۹۲]

جھٹلانے والے ہی خسارے میں رہے، شعیب علیہ السلام اور ان کے پیروکار اللہ ﷻ کی رحمت سے نجات پا گئے۔

۷ ابراہیمی دور میں ابراہیم علیہ السلام یعنی ایمان اور عملِ صالح کامیاب رہے اور ان کے مقابلے دولت، قوت، وجاہت، حکومت سب ناکام رہے:

﴿وَ اَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ٥﴾---[الانبیاء:۷۰]

۸ موسوی دور میں فرعونی حکومت ناکام، ہامانی قوت و وزارت ناکام، سامری وجاہت ناکام، قارونی دولت ناکام، انجام کار کامیاب ہوئے تو کون؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین، جنھوں نے ایمان اور عملِ صالح کی دعوت قبول کی اور تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کرتے رہے۔[طٰہٰ، القصص، الاعراف]

۹ عیسیٰ علیہ السلام کامیاب ہوئے اور مذہبی وجاہت کے بل بوتے پر سازشیں کرنے والے ناکام۔[النساء:۱۵۷،۱۵۸]

۱۰ اب تاریخِ انبیاء اپنے آخری دور میں داخل ہوگئی، آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ نے بھی ایمان اور عملِ صالح کی دعوت دی، آپ ﷺ کی دعوت ناکام کرنے کے لیے دولت، قوت، وجاہت، حکومت کا ہر حربہ آزمایا گیا، لیکن کامیابی محمد رسول اللہ ﷺ

یعنی ایمان اور عملِ صالح کو حاصل ہوئی۔ ابولہب کی دولت اسے ناکامی سے نہ بچاسکی:

﴿مَا أَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ٥﴾---[اللھب:۲]

ولید بن مغیرہ کی دولت، قوت اس کے کچھ کام نہ آئی۔[المدثر:۱۷]

ابو جہل کی ریاست، وجاہت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور تکبر کا یہ پتلا ذلت وخسارے کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کو مٹانے والے اپنی آرزوؤں سمیت مٹ گئے:

﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ٥﴾---[الکوثر:۳]

لیکن چہار دانگِ عالم آج آپ ﷺ کے ذکر سے گونج رہے ہیں:

﴿وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ٥﴾---[الانشراح:۴]

درحقیقت یہ جیت ایمان اور عملِ صالح کی جیت ہے، یہ کامیابی تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی کامیابی ہے۔

گزشتہ تفصیل سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ کامیابی صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی کا مقدر ہے، نہیں، قیامت تک جو انسان بھی عناصرِ فلاح اپنائیں گے اور انبیاء کی راہ پر چلیں گے، کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ فوز وفلاح کے یہ اصول انسان کے لیے ہیں، صرف انبیاء کے لیے نہیں، انبیاء تو نمونہ اور اسوہ ہیں۔

چنانچہ خلافت راشدہ کے بعد جب امت پر کڑا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ﷻ حقیقی کامیابی کا ایک اور نمونہ پیش فرماتا ہے، عناصرِ فلاح کے حسین مجموعے حسین رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا جاتا ہے اور انبیاء کے بعد قیامت تک کے لیے انھیں حق وصداقت کا معیار قرار دے دیا جاتا ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی کامیابی کو سمجھنے کے لیے سورۃ العصر کے بیان کردہ اصولِ اربعہ کی روشنی میں آپ کی حیاتِ طیبہ کا مختصر جائزہ لیتے ہیں:

ایمان

جس نے علی وفاطمہ کے گھر جنم لیا ہو، جس کے کان میں پہلی آواز اللہ اکبر کی پڑی ہو اور وہ بھی لسانِ رسالت سے، جسے گھٹی میں لعابِ نبوت ملا ہو، جس کی تربیت آغوشِ رسالت اور دامنِ ولایت میں ہوئی ہو، اس کی ایمانی کیفیت کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟

عملِ صالح

آپ کا بچپن اور جوانی مسجدِ نبوی کے پُرنور ماحول میں گزرے، رسالت وولایت کی عنایتوں

کے ساتھ تمام صحابہ کرام ﷺ کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز تھے۔ ذوقِ عبادت فطری تھا، نماز گھٹی میں پڑی تھی، روزے کے دل دادہ تھے، شہادت کے روز بھی روزے سے تھے اور زندگی کی آخری عبادت نماز تھی، زکوٰۃ وصدقات میں رغبت اتنی تھی کہ تین دفعہ اپنا تمام اثاثہ اور گھر بار اللہ ﷻ کی راہ میں خیرات کیا، حج کے اتنے شائق تھے اور احترام بیت اللہ اس قدر تھا کہ سواری ہونے کے باوجود پچیس مرتبہ پیدل حج کیا۔

ایمان اور عملِ صالح کے عناصر سے جب آپ کی تکمیل ذات ہو جاتی ہے اور امت کی قیادت کی ذمے داری آپ کے کندھوں پر آ پڑتی ہے تو تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا نور آپ کی شخصیت سے پھوٹتا ہے۔

تواصی بالحق

امام حسین ﷺ کی تواصی بالحق آپ کے خطبات میں نظر آتی ہے۔ یہ خطبات آپ کے قیام کے اسباب بھی بیان کرتے ہیں اور آپ کے موقف کی ترجمانی بھی۔

کوفہ کی راہ میں مقام بیضہ پر دوستوں اور دشمنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کو پامال کرتا ہے، عہدِ الٰہی توڑتا ہے، سنت کی مخالفت کرتا ہے، بندگانِ خدا پر گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے کے بعد اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے، نہ اپنے قول سے، تو ایسے لوگوں کو اللہ اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔

دیکھو! یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں، ہر طرف فساد ہے، حدودِ الٰہی معطل ہیں، مالِ غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، اللہ ﷻ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔

ان حالات میں ان کی سرکشی کو حق وعدل سے بدل دینے کا میں سب سے زیادہ حق دار ہوں" ---[طبری، جلد ۵، صفحہ ۴۰۳]

ذی حُسُم میں ایک اور خطاب میں فرمایا:

"افسوس! تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے، باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے، وقت آ گیا ہے کہ مومن راہِ حق پر چلتے ہوئے لقائے الٰہی کی خواہش کرے، میرے نزدیک موت شہادت کی موت ہے اور ظالموں کے ساتھ حیات بجائے خود

ایک جرم ہے"۔۔۔[طبری، جلد ۵، صفحہ ۴۰۴]

تواصی بالصبر

یوں تو سارا سفرِ کربلا صبر و رضا کا مرقع ہے، لیکن درج ذیل واقعے سے امام حسینؓ کے مقامِ صبر کا اندازہ ہوتا ہے:

امام علی بن حسین زین العابدینؓ بیان کرتے ہیں کہ جس رات کی صبح کو میدانِ شہادت گرم ہونے والا تھا، عین اسی شب کا واقعہ ہے کہ میں بیمار پڑا تھا، میری پھوپھی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری تیمار داری میں مصروف تھیں، میرے ابا اصحاب کے ساتھ اپنے خیمے میں چلے گئے، ابوذر غفاریؓ کا غلام حُوَیّ آپ کی تلوار کو صیقل کر رہا تھا اور آپؓ چند اشعار پڑھ رہے تھے، میں سمجھ گیا کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟

میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاء الٰہی نازل ہو گئی ہے اور اب اس سے چارہ نہیں۔ پھوپھی جان نے بھی اشعار سن لیے، وہ ضبط نہ کر سکیں، کیوں کہ عورتیں قدرتی طور پر نرم دل ہوتی ہیں، وہ چلا اٹھیں:

"ہائے بدنصیبی، کاش مجھے موت آجاتی، آج اماں فاطمہ، ابا علی اور بھائی حسن کی (پھر) موت ہو رہی ہے"۔۔۔

حسین ان کے پاس گئے اور فرمایا، "پیاری بہن! حلم کا دامن تھامے رکھو" لیکن زینب شدتِ غم و حزن سے بے قرار تھیں، وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کیسی خونیں صبح ہے، فرطِ غم میں واویلا، واحسرتا پکارتی ہوئی بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

حسینؓ ان کی جانب بڑھے، ان کے چہرے پر پانی ڈالا، جب ہوش میں آئیں تو فرمایا:

"پیاری بہن! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے فرمان کے مطابق عزا کا جو طریقہ ہے اسے اختیار کرو اور خوب سمجھ لو کہ زمین والے بھی مر جائیں گے اور آسمان والے بھی باقی نہیں رہیں گے، ہر شے ہلاک ہونے والی ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ عزوجل کی ہے، جس نے اپنی قدرت سے زمین کو پیدا کیا اور مخلوق کو دوبارہ پیدا کرے گا۔

ابا، اماں، بھائی سب مجھ سے بہتر تھے (وہ نہ رہے، میں بھی نہیں رہوں گا) میرے لیے، ان کے لیے اور ہر مسلم کے لیے (ہر معاملے میں) رسول اللہ ﷺ بہترین اسوہ ہیں"۔۔۔[طبری، جلد ۵، صفحہ ۴۲۰، ۴۲۱]

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُیُوْبَ وَ دَعیٰ بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ---[متفق علیہ، عن عبداللہ بن مسعود، مشکوٰۃ، صفحہ ۱۵۰]

''(غم کے موقع پر) جس نے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلی جملے کہے، وہ ہم میں سے نہیں''---

نیز فرمایا:

اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَ صَلَقَ وَ خَرَقَ---[متفق علیہ، عن ابی بردہ، مشکوٰۃ، صفحہ ۱۵۰]

''جس نے (غم کی وجہ سے) سر منڈایا، چیخا، چلایا اور لباس پھاڑا، میں اس سے بری اور بیزار ہوں''---

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اسی موقع پر وصیت کی:

''پیاری بہن! میں تمھیں قسم دیتا ہوں اور میری قسم پوری کرنا، جب میں شہید ہو جاؤں تو گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ نہ چھیلنا اور ہائے مصیبت، وائے نصیب نہ پکارنا''---[طبری، جلد ۵، صفحہ ۴۲۱]

حق کی خاطر اپنی اولاد اور اعزہ کی قربانیاں پیش کرنے کے بعد خود اپنی شہادت پر امام حسین رضی اللہ عنہ نے جس انداز میں صبر کیا، اس سے اولوالعزم انبیاء کی سنت زندہ ہوئی، ہابیل کی باتیں یاد آئیں، مسیح کی مظلومی اور بے کسی کے دردناک مناظر سے سرزمین کربلا لرز اٹھی، عثمانی صبر و رضا، حلم و حیا کا ایک عظیم نمونہ دنیا نے پھر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سورۃ العصر کا تاریخی دعویٰ ایک مرتبہ پھر اپنی حقیقتوں کے ساتھ یوں ثابت ہوا کہ:

ایمان غالب رہا	اور	طغیان مغلوب ہوا
عملِ صالح جیتا	اور	فسق و فجور ہارا
حق باقی رہا	اور	باطل فنا ہو گیا
صبر بامراد ہوا	اور	جبر نامراد ہوا

حسین رضی اللہ عنہ اب بھی زندہ ہے اور عزت کے ساتھ زندہ ہے، یزید زندگی میں مر گیا اور ذلت کی موت مرا، یزید کی دولت، وجاہت، حکومت سب کچھ ہار گئی، حسین رضی اللہ عنہ کی بے چارگی، بے کسی اور

کمزوری جیت گئی۔

اس لیے کہ حسین ؓ کے شب و روز سورۃ العصر کے سائے میں بسر ہوتے تھے، سورۃ العصر آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کیے ہوئے تھی، بلکہ آپ کے خمیر میں گندھی ہوئی تھی اور امام العصر وہی ہوسکتا ہے، سورۃ العصر جس کے خمیر میں گندھی ہو۔

شہادتِ امام کو صدیاں بیت گئیں اور نہ معلوم کتنی اور بیتیں گی، لیکن سورۃ العصر شہادت دے رہی ہے کہ عصر حاضر کے امام، حسین ؓ ہیں۔

حسین ؓ خیر امت ہیں

اللہ تعالیٰ ﷻ کا ارشاد ہے:

''تم بہترین امت ہو، جسے لوگوں کے لیے بھیجا گیا ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو'' ---[آل عمران: ۱۱۰]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو امت کا خیر خواہ ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو اور اللہ ﷻ پر ایمان رکھتا ہو، وہ امت میں بہترین ہے۔ حضرت حذیفہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم بھلائی کی تلقین اور برائی سے روک ٹوک ضرور کرتے رہو، وگرنہ بہت جلد اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا، پھر تم دعائیں کرو گے، لیکن قبول نہ ہوں گی'' ---[ترمذی]

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں جو شخص برائی دیکھے اپنے ہاتھ سے بدلے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے'' ---[مسلم]

۶۰ھ میں خلافت کی بساط لپیٹ دی گئی اور ملوکیت کی بنیادیں رکھی گئیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم ہوگیا۔ اس سنگین دور میں یہ سعادت امام حسین ؓ کا مقدر ٹھہری کہ آپ ایمانی جذبے سے کھڑے ہوئے اور اس برائی کے انسداد کے لیے جو آپ سے بن پڑا، آپ نے کیا۔

آپ کے قیام سے، حدیث نبوی کے مطابق، سب سے اللہ کا عمومی عذاب ٹل گیا، آپ کے قیام سے لوگوں کو شعور ملا، جذبۂ حریت پیدا ہوا، خلافت کی حدود کا تعین ہوا۔

اگر امام حسین ؓ قیام نہ فرماتے تو حقیقت یہ ہے کہ آج تک حقیقت مشتبہ ہی رہتی، کچھ پتہ

نہ چلتا کہ خلافت کیا ہے اور ملوکیت کیا؟ ہمیں کون سا نظام اپنانا ہے اور کس سے بچنا ہے؟

اگر امام حسین رضی اللہ عنہ قیام نہ فرماتے تو ملوکیت کو سندِ جواز مل جاتی، جیسے موسیٰ علیہ السلام قیام نہ فرماتے تو فرعونیت قائم رہتی۔ اقبال شاید اسی لیے شبیر و یزید کا ذکر موسیٰ و فرعون کے ساتھ فرماتے ہیں:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

اس اعتبار سے مکہ سے آپ روانہ ہوتے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی جھلک نظر آتی ہے اور کربلا میں فروکش ہوتے ہیں تو مسیح علیہ السلام کا نمونہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ تاریخی فرض ادا کرنے پر امام حسین رضی اللہ عنہ بجا طور پر خیرِ امت ہیں۔

حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

پورے دین کا حاصل "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔ دین تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ہو گیا لیکن اس کی تفسیر و توضیح حسبِ ضرورت خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ان کے قول و عمل سے ہوتی رہی۔ اب تک "لا الٰہ الا اللہ" کے یہ مفاہیم سامنے آئے ہیں:

لا معبودَ الا اللّٰہ	لا مسجودَ الا اللّٰہ
لا مقصودَ الا اللّٰہ	لا مطلوبَ الا اللّٰہ
لا محبوبَ الا اللّٰہ	لا خالقَ الا اللّٰہ
لا رازقَ الا اللّٰہ	لا حیَّ الا اللّٰہ

لا قیومَ الا اللّٰہ

اب تک جور و جفا کا دور ہی نہیں آیا تھا، اب جو حکومت نے خدائی روپ دھارا اور حاکم بننے لگا تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے "لا الٰہ الا اللہ" کا کلمۂ حق بلند کیا۔ اس سے "لا الٰہ الا اللہ" کا یہ مفہوم آشکارا ہوا:

لا حاکمَ الا اللّٰہ	لا مالکَ الا اللّٰہ

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ، اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ، ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۝﴾---[یوسف:۴۰]

"حکم کسی کا نہیں مگر اللہ کا، اس کا امر ہے کہ عبادت نہ کرو مگر اسی کی، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"---

معلوم ہوا کہ جو الٰہ ہے، وہی حاکم ہے اور اسی کا حکم تسلیم کرنا داخلِ عبادت ہے، لیکن اکثر

لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور حاکم اور اللہ کے جدا جدا ہونے کو دین میں قابل برداشت خیال کرتے ہیں، حالاں کہ دینِ قیم میں ہرگز اس کی اجازت نہیں۔ امام حسین ﷛ نے اپنی بے مثال قربانی سے لا الٰہ الا اللہ کا یہ مفہوم اجاگر کیا، اس لیے جس نے بھی کہا، سچ کہا:

شاہ است حسین ، بادشاہ است حسین
دین است حسین ، دینِ پناہ است حسین
سر داد نہ داد ، دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا اِلٰہ است حسین

اقبال بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا اِلٰہ گردیدہ است

امام حسین ﷛ کی پوری جدوجہد کا حاصل لا الٰہ الا اللہ ہے:

وہ جبر و قہر کی تپتی فضاؤں میں سجدے
برستے تیروں کی مہلک ہواؤں میں سجدے
کیے امام نے نیزوں کی چھاؤں میں سجدے
پیامِ کرب و بلا، لا الٰہ الا اللہ
حسینیت کی صدا، لا الٰہ الا اللہ

حصار، ظلم کی شدت کا جس نے توڑ دیا
طلسم، کبر و رعونت کا جس نے توڑ دیا
غرور، فسق کی ظلمت کا جس نے توڑ دیا
وہ روشنی، وہ ضیا، لا الٰہ الا اللہ
حسینیت کی صدا، لا الٰہ الا اللہ

کوتاہ فہم کہہ دیتے ہیں کہ امام ﷛ کا موقف تو درست تھا لیکن وقت کا انتخاب مناسب نہیں تھا، وہ نہیں جانتے کہ:

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند — بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں — مجھے ہے حکمِ اذاں، لا الٰہ الا اللہ

ہر دور میں ہر طرح کے مسائل و مشاغل کا حل لا الٰہ الا اللہ اور جذبہ حسینی ہے:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰـــہ الا الـلّٰـــہ

حسین رضی اللہ عنہ امام امت ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور یقیناً ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور بشارت دیجیے ان صبر کرنے والوں کو جب انھیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں، ہم تو بس اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، انھی لوگوں پر ان کے رب کی عنایتیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہیں ہدایت یافتہ''---[البقرہ:۱۵۵-۱۵۷]

آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ یہ مصائب و بلایا اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے آزمائشیں ہوتی ہیں اور جو لوگ ان آزمائشوں میں سرخ رو ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ عزوجل کی خاص نظرِ عنایت اور خصوصی محبت ان کے شامل حال رہتی ہے، پھر حدیث نبوی کے مطابق وہ خلقِ خدا کے بھی محبوب بن جاتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کی ایک بہترین مثال بھی ہمارے سامنے رکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ عزوجل نے چند باتوں (کلمات) میں آزمایا، آپ ان آزمائشوں میں پورا اترے تو اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾---

''میں (بطور انعام) تجھے سب لوگوں کا امام بنا رہا ہوں''---

ابراہیم نے عرض کیا:

﴿وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾---

''اور میری ذریت سے بھی (امام ہوگا)؟''---

فرمایا:

﴿لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۝﴾---[البقرہ:۱۲۴]

''میرا عہد (امامت) ظالموں کو (اپنے دائرے میں) نہیں لے گا''---

ابراہیم علیہ السلام امتحان میں کامیاب ہوئے تو تاجِ امامت سے سرفراز ہوئے۔ حسین رضی اللہ عنہ انہی

کی ذریت سے ہیں، آپ کا بھی کڑا امتحان ہوا، ظالموں نے منصبِ خلافت پر قبضہ کیا تو آپ نے کلمۂ عدل بلند کیا، تحفظِ خلافت کی خاطر آپ پر خوف، بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان کی تمام آزمائشیں آئیں، ان تمام مراحل میں آپ کی زبان مبارک پر ایک ہی کلمہ تھا:

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۝﴾---

ذرّیت ابراہیمی میں انبیاء کے بعد کون ہے جس نے حسین رضی اللہ عنہ کے انداز میں کلمۂ عدل کہا ہو؟ اور کون ہے جس پر ویسے "کلماتِ ابتلاء" آئے ہوں جیسے حسین رضی اللہ عنہ پر آئے؟ اور ذریت ابراہیمی میں کوئی ایسا ظالم ہوا جس نے یزید جیسے مظالم کیے ہوں اور یزید کی طرح حرمتوں کو پامال کیا ہو؟

اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت میں جس امام کی درخواست کی، تاریخ کی روشنی میں انبیاء کے بعد اس کا سب سے بڑا مصداق سیدنا حسین رضی اللہ عنہ قرار پاتے ہیں۔

ذریت ابراہیمی کا یہ گلِ سرسبد اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح تمام "کلماتِ ابتلاء" میں پورا اترا تو اللہ تعالیٰ عزوجل کی عنایت و رحمت نے حسبِ عہد آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور ہدایت واستقامت میں آپ کو "امام امت" بنا دیا۔

اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے جن ظالموں کو دائرۂ امامت سے باہر رکھنے کا عہد کیا، اپنے اعمال کی وجہ سے یزید اس کا سب بڑا مصداق بنا، اس لیے یزید کو امیر، امام یا خلیفہ کہنا درست نہیں۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ جب ایک شخص نے حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے یزید کو "امیر المومنین" کہا تو آپ نے اسے بیس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔[الصواعق المحرقۃ:۲۲۱]

اللہ عزوجل، حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، (مصیبت کی گھڑی میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، یقیناً اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے"---[البقرہ:۱۵۳]

صبر کا مفہوم برائی برداشت کرنا نہیں، بلکہ معروف پر ڈٹ جانا اور اس کی خاطر مصائب جھیلنا صبر ہے۔

حسین راہِ معروف پر چلے، پھر آپ پر وہی کچھ گزرا جو اس راہ پر چلنے والوں پر گزرتا ہے۔

حسین نے نازک لمحات میں ارشاد ربانی کے مطابق جیسا صبر کیا، اس پر صبر کو بھی رشک آتا ہے۔

رہی نماز تو آپ سجدے ہی کی راہ سے اپنے مولا کریم کے حضور پیش ہوئے۔ آپ نے ارشاد ربانی کی تعمیل کی، اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اپنی معیت سے سرفراز فرمایا۔

یہ اللہ تعالیٰ ﷻ کی معیت ہی کا تو اثر تھا کہ دشمن آپ کو مٹانے کی کوشش میں خود مٹ گیا اور آپ کی عزت، آپ کی حرمت دن بہ دن بڑھتی چلی جارہی ہے۔ سچ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ o﴾---

حسین رضی اللہ عنہ امام الشہداء ہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور طارق بن شہاب بجلی رضی اللہ عنہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد روایت فرماتے ہیں:

"افضل جہاد ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ حق ......ایک روایت میں ہے: کلمۂ عدل کہنا ہے"---[نسائی ترمذی]

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے دورِ ظلم و جور میں جس شان سے افضل جہاد کیا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی اور جو پہلا افضل جہاد کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے، یقیناً وہی امام الشہداء ہے۔

کچھ لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ کو امام الشہداء یا سید الشہداء کہتے ہوئے اس بنا پر ہچکچاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کہا تھا۔

سوچنا چاہیے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کیسے قرار پائے؟ شہداء کے درمیان جو سلوک شہید سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش سے ہوا، ایسا دردانگیز رویہ کسی اور شہید کے ساتھ نہیں برتا گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے نسبت کا تعلق بھی تھا اور نسب کا بھی، اس لیے فطری طور پر آپ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت سے جو غم ہوا، وہ کسی اور کی شہادت پر نہیں ہوا۔ ان وجوہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں، آپ کی نعش مبارک کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا، اسے سن کر آج بھی کلیجہ پھٹتا ہے۔ آپ کو بھی رسول اللہ ﷺ سے نسبت اور نسب کا شرف عظیم حاصل ہے اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی شہادت پر خواب میں نہایت غم زدہ دکھائی دیے، اس کی روایات موجود ہیں۔

لہٰذا جس بنیاد پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں، اسی بنا پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی امام الشہداء ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ہاتھوں شہید ہوئے اور امام حسین رضی اللہ عنہ اپنوں کے جور و جفا کا نشانہ بنے۔ اس اعتبار سے آپ کی شہادت کو ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

تاہم اس تقابل سے قطع نظر ایک کی فضیلت دوسرے کی فضیلت کے لیے رکاوٹ نہیں۔ شہادتوں کے یہ دو الگ الگ سلسلے ہیں۔

جبر و استبداد کے خلاف جد وجہد کے لیے اسوہ، امام حسین ﷛ ہی ہیں

دنیا میں خیر وشر کی کشمکش روزِ اوّل سے جاری ہے، شر وفساد کے دور میں کیا رویہ اپنایا جائے اور اشرار سے کیسے نمٹا جائے؟ اس کے لیے ہمیں اخیار سے رہنمائی ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون کو ہمارے لیے نمونہ اسی لیے قرار دیا۔

استبدادی حالات اور ظلم وجور کی حکومت میں امام حسین ﷛ کا اقدام ہمارے لیے قیام کی سنت قائم کرتا ہے۔ جو لوگ جبری بیعت کی بنیاد پر یزید کی جابرانہ حکومت کو جائز قرار دیتے ہیں، ان کے پاس جبر و استبداد کے خلاف جد وجہد کا کیا جواز ہے؟ انھیں ہر جبر کے زیر سایہ خاموشی سے زندگی بسر کرنی چاہیے، دھاندلی کے نتیجے میں قائم ہونے والی ہر حکومت کو خوش دلی سے تسلیم کر لینا چاہیے۔

جو لوگ امام حسین ﷛ کے قیام کو غلط کہتے ہیں، وہ آمریت کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ افغان جہاد اور کشمیری جد وجہد کو درست کیوں کہتے ہیں؟ شام، لیبیا، فلسطین، عراق پر تشدد کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ ایسے حالات کے لیے ان کے پاس خیر القرون سے کوئی نظیر ہے؟

سچ یہ ہے کہ اگر امام حسین ﷛ کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے نہ ہو تو جبر واستبداد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا، ظلم کے خلاف کوئی تحریک نہیں چل سکتی۔

حسین ﷛ کو تاریخ سے الگ کر دیا جائے، آپ کے موقف کو تسلیم نہ کیا جائے، تو پھر آمریت و ملوکیت ہمیشہ کے لیے آپ پر مسلط ہو جائے گی:

ہماری تاریخ میں حریت کی شان، حسین ہیں — اظہارِ حق و عدل کی جان، حسین ہیں
غیرت و حمیت کا نشان، حسین ہیں — حقوقِ انسانی کے پاسبان، حسین ہیں

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی، ہمارے حسین ہیں

امام حسین ﷛ کو رسول اللہ ﷺ سے الگ نہیں کیا جا سکتا

یعلی بن مرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں---
اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے---
حسین ایک پورا قبیلہ ہے“---[ترمذی/مشکوٰۃ، مناقب اہل بیت]

اس سے معلوم ہوا کہ امام حسین ﷛ کی شخصیت رسول اللہ ﷺ سے الگ نہیں ہے، آپ کی سوچ رسول اللہ ﷺ کی سوچ میں ڈھلی ہوئی اور آپ کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل میں ڈھلا

ہوا ہے، آپ کا ہر قدم رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر اٹھا اور آپ کا ہر فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی رضا کے مطابق ہوا۔

جو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس شخصیت کو تسلیم کرے، رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس کے لیے محبوب الٰہی ہونے کی بشارت ہے۔

دشمنوں نے کربلا میں آپ کے خاندان کا نام ونشان مٹانا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا کہ حسین ایک پورا قبیلہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہو کر رہی اور اب:

ہر عہد میں ہے زندۂ جاوید شہید ہر دور ہے ظالم کے لیے مرگِ جدید
شبیر کے فرزند تو لاکھوں ہیں مگر ڈھونڈو بھی تو ملتی نہیں اولادِ یزید

سچ ہے: ان شانئک ھو الابتر---

غمِ امام رضی اللہ عنہ کے ضمن میں ہمارا مجرمانہ رویہ

امام مظلوم رضی اللہ عنہ کے غم میں آج تک جتنے آنسو بہائے گئے، اگر انہیں اکٹھا کیا جائے تو آنسوؤں کا فرات بہ نکلے۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے مصائب پر دلوں سے اٹھنے والی آہیں اگر مجسم ہوں تو آہوں کا ہمالیہ وجود میں آ جائے۔

امام مظلوم رضی اللہ عنہ کے غم زدگان جمع ہو کر ہاتھوں کی زنجیر بنائیں تو پوری دنیا گھیرے میں ہو۔

کاش! آنسوؤں کے اس فرات میں طاغوتی نظام کو ڈبو یا جاتا!

کاش! آہوں کا یہ ہمالیہ عصر حاضر کے فرعونوں پر گرایا جاتا!

کاش! ہاتھوں کی یہ زنجیر مظلوموں کی دستگیر بن کر ظالموں کو اسیر کرتی!

لیکن افسوس صد افسوس!

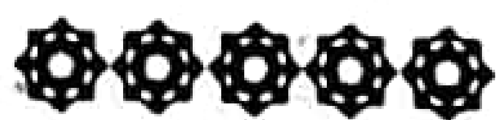
ہم نے امام رضی اللہ عنہ، متاعِ اسلام کی عظیم قربانی کو فرقہ بازی کی نذر کر دیا!

یہ غم بالائے غم اور ستم بالائے ستم ہے!

دکھ یہ ہے کہ وہ ستم غیروں نے کیا، یہ ستم اپنے کر رہے ہیں!

فانا للہ و انا الیہ راجعون

[امام حسین رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا، قرآن، حدیث، تاریخ اور دانش کی روشنی میں]



محبت کی تفسیر ہے خون تیرا

جلو میں رہِ عشق کے چند راہی ، زرہ کی جگہ جن کا ملبوس سادہ
ترے عزم محکم کے قربان جاؤں ، یہ سامان اور کربلا کا ارادہ
ابھی تک وہی قبلۂ جان و دل ہے ، ابھی تک وہیں عشق ہے سرنہادہ
ترے ذوق نے جو بنائی ہے منزل ، ترے شوق نے جو تراشا ہے جادہ
شہادت کے نشے میں سرشار ہو کر ، کیا تو نے جب کربلا کا ارادہ
ترے سامنے تھی اجل سر فگندہ ، ترے سامنے تھی قضا سر نہادہ
وہ دشت بلا ، وہ قیامت کا منظر ، وہ لاشوں کے انبار اللہ اکبر!
ادھر سائے میں شمر کا لاؤ لشکر ، ادھر دھوپ میں ہاشمی خانوادہ
یہ تیرا کرم تھا کہ سر دے کے تو نے ، کیا زندہ روح صداقت کو ورنہ
سیاست تھی خود بینی و خود نمائی ، صداقت پہ تھا مصلحت کا لبادہ
محبت کی تفسیر ہے خون تیرا ، ہے فطرت کو مطلوب مضمون تیرا
جو تیری زباں پر تھا حرف صداقت ، جہاں کر رہا ہے اسی کا اعادہ

حافظ مظہر الدین



کچھ
بیان
اپنا

لمحہ لمحہ کربلا

اسلامی سال نو کا آغاز ہوا چاہتا ہے--- چند روز بعد ۱۴۲۶ اواں سنہ ہجری شروع ہونے والا ہے--- اس سے ٹھیک سوا مہینا پہلے عیسوی سال ۲۰۰۵ کا افتتاح ہوا ہے--- سال نو ایسے پُر آشوب حالات میں طلوع ہو رہا ہے کہ شرق سے غرب تک امت مسلمہ مصائب و آلام سے دوچار ہے--- مسلم امہ کے حکمرانوں اور عوام کی سوچ میں بُعد المشر قین ہے--- حکمران یہود و نصاریٰ کی محبت کے اسیر اور امریکہ کے ''کروسیڈی'' صدر بش کے غلام بے دام بن چکے ہیں، جب کہ عامۃ الناس کی اکثریت یہود و نصاریٰ خصوصاً امریکی قیادت کو اپنا کھلا دشمن اور خرابیوں کی جڑ قرار دیتے ہیں---

یہ حقیقت کسی بھی صاحب بصیرت اور صاحب درد سے مخفی نہیں کہ ہر نیا سال، مہینا، دن اور لمحہ امت مسلمہ کی زبوں حالی میں اضافے کی خبر دیتا ہوا آتا ہے--- امریکہ، افغانستان اور عراق میں آتش و آہن کی بارش کرنے اور مسلمانوں کے بے دریغ قتل عام کے بعد اب ایران پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے، بھارت کشمیریوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے، جب کہ یہود امریکہ و برطانیہ

کی مدد سے فلسطینی مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلنے اور امت مسلمہ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں---غرض کرۂ ارض میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے لحہ لحہ کربلا اور خطہ خطہ عرصۂ مقتل بن چکا ہے---

واحد اسلامی ایٹمی ریاست پاکستان میں ترقی، اعتدال اور ''روشن خیالی'' کے دل فریب نعروں کے جلو میں فحاشی، عریانی، مادر پدر آزادی، بے راہ روی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور یوں اسلامی شعائر کا مذاق اڑانا اور دینی اقدار کی اہمیت کو کم کرنا حکومت وقت کا وتیرہ بن چکا ہے---پاسپورٹ سے مذہب کے خانہ کا خاتمہ اور نظام تعلیم کو بدعقیدہ اور بے دین آغا خان کی قائم کردہ یونی ورسٹی کے تابع کرنے کے اقدامات اسلامی جمہوریہ پاکستان کو لادین سیکولر ریاست بنانے کی کھلی سازش دکھائی دیتے ہیں---

دوسری طرف بلند بانگ حکومتی دعووں کے باوجود غربت، ناانصافی، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم، بدامنی اور مہنگائی نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے--- ہوش ربا مہنگائی نے متوسط طبقے کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے--- اشیاء خوردنی اور دیگر ضروریات زندگی عام آدمی کی دسترس سے باہر ہوتی جا رہی ہیں---

المیہ یہ ہے کہ حکمران احساس زیاں سے محروم دکھائی دیتے ہیں---

اس وقت ملکی و بین الاقوامی سطح پر امت مسلمہ جن سخت، گھمبیر حالات سے دوچار ہے اور کھلے اور مخفی امریکی اور صیہونی عزائم کی صورت میں اسے جس ''نار نمرود'' اور ''معرکۂ کربلا'' کا سامنا ہے، اس کا حل صرف اور صرف اسوۂ خلیل (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) اور جذبۂ شبیر کو زندہ رکھنے اور صمیم قلب سے اس پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے---

کاش! نیا سال امت مسلمہ کے لیے خوشیوں اور خوش حالیوں کا سندیسا ثابت ہو---

حجاج کرام سے قربانی کی جبری کٹوتی

حج ایک دینی فریضہ اور اسلام کا پانچواں رکن ہے، اس کی بجا آوری بہت بڑی سعادت،

قرب خداوندی کا ذریعہ اور بہترین عبادت ہے--- ایک اسلامی حکومت کی دینی، شرعی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ فریضۂ حج کو کم خرچ، سستا اور آسان بنائے اور حاجیوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولت مہیا کرے--- مگر ہر سال حکومت کی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے حجاج کرام کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے--- تفصیلات مستقل مضمون کی متقاضی ہیں، فی الوقت اس شذرہ کے ذریعے وفاقی وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق کو ان کے حالیہ بیان کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ آئندہ تمام حجاج کرام سے قربانی کے لیے رقم منہا کرلی جائے گی---

ہم سمجھتے ہیں کہ وزیر مذہبی امور کا یہ بیان غیر شرعی اور مداخلت فی الدین کے مترادف ہے--- وزیر موصوف کو مفتی بننے کے بجائے اپنی وزارتی ذمہ داریاں سیاسی انداز میں سرانجام دینی چاہییں، جب کہ دینی رہنمائی کا کام علمائے حق پر چھوڑ دیں---

حج کی تین قسمیں ہیں: (۱)......افراد (۲)......قران (۳)......تمتع

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی رو سے حج افراد کرنے والے کے ذمہ قربانی نہیں ہے، البتہ قران اور تمتع (ایک ہی سفر میں حج و عمرہ) کی صورت میں قربانی دینا پڑتی ہے، مگر اس میں بھی استثنائی صورت موجود ہے--- قرآن کریم میں ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ ذٰلِکَ لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ--- [البقرہ:۱۹۶]

''تو جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کو ملانے کا فائدہ اٹھائے تو وہ ایک قربانی کرے، جس کو وہ آسانی کے ساتھ کر سکے، پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ ایام حج میں تین روزے رکھے اور سات روزے جب تم گھر لوٹ آؤ، یہ کامل دس (روزے) ہوئے، یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کے رہنے والے نہ ہوں''---

وزیر مذہبی امور کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شخص کو لازماً قربانی کرنی پڑے گی، جس کی قیمت جبراً اس سے کاٹ لی جائے گی، جب کہ قرآن کریم میں عدم استطاعت کی صورت میں

رعایت دی گئی ہے--- جب جبری کٹوتی ہوگی تو مصارف حج میں اضافہ ہو جائے گا، جس سے بڑی تعداد میں لوگ سعادت حج سے محروم رہ جائیں گے--- پھر یہ پہلو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ قربانی کا عمل اگر حکومتی انتظام میں دے دیا جائے تو اس سے بڑا حرج لازم آنے کا امکان ہے، کیوں کہ احناف کے نزدیک رمی جمار، قربانی، سر منڈوانے اور طواف زیارت میں ترتیب ضروری ہے، بصورت دیگر دم لازم ہو جاتا ہے، لہٰذا بڑی احتیاط کی ضرورت ہے--- حکومتی انتظام میں معمولی سی کوتاہی کی بنا پر دم لازم آنے کا قوی احتمال ہے---

حکومت کو چاہیے کہ وہ قربانی کا عمل حجاج کی صوابدید پر چھوڑ دے، حجاج کرام پہلے ہی حج کے اخراجات سے کافی زیادہ زیر بار ہیں، ان کے لیے مزید دشواریاں پیدا نہ کی جائیں---

جناب اعجاز الحق صاحب کا اگر ارادہ اور نصیب اچھا ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ حجاج کرام کے ساتھ رعایت برتیں اور مناسک حج کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کا اہتمام کریں---

سونامی طوفان

تباہی و بربادی کے نئے نئے ہتھیار ایجاد کر کے سارے جہان کو تسخیر کرنے کے خواب دیکھنے اور سائنس کی ترقی پر نازاں ہونے والا اکیسویں صدی کا انسان، کس قدر عاجز اور خدائے قہار کے آگے کتنا بے بس ہے، اس کا صحیح اندازہ گزشتہ دنوں جنوب مشرقی ایشیا سے افریقہ تک کے سمندروں میں چالیس سے پچھتر فٹ اونچائی تک اٹھنے والی بپھری ہوئی سونامی لہروں کے تھپیڑوں کے سامنے اس کی کسمپرسی اور بے بسی کو دیکھ کر ہوتا ہے--- ایٹم بم گرا کر دنیا کو نیست و نابود کرنے، فضا سے گزر کر خلا کو مسخر کرنے اور دنیا کو اپنی غلامی کے فرسودہ نظام میں جکڑنے کے لیے جال تیار کرنے والی سپر طاقتیں بھی پانی کی خدائی لہروں کا مقابلہ کرنے اور اس کے قہر کا ہاتھ روکنے کی سکت نہیں رکھتیں--- قدرت کے لاکھوں مظاہروں میں سے صرف ایک سونامی طوفان نے انسان کو اس کی حیثیت و حقیقت یاد دلا دی ہے--- اطلاعات کے مطابق بھارت، انڈونیشیا، بنگلہ دیش،

تھائی لینڈ، سری لنکا، صومالیہ، مالدیپ اور جنوبی افریقہ کے علاقے طوفان کی زد میں آئے---وہ بلند و بالا عمارتیں اور تفریحی ساحلی مقامات، جہاں لوگ رقص ابلیس اور شراب و کباب میں مست رہتے تھے، اب ملیا میٹ ہو گئے اور وہاں ہر طرف موت کا سناٹا طاری ہے---ہر جگہ لاشوں کے انبار لگے ہوئے ہیں اور ہر جانب عبرت ناک تباہی پھیلی ہوئی ہے---سونامی طوفان سے لاکھوں انسان لقمۂ اجل بنے، لاکھوں افراد معذور اور بے گھر ہو گئے، جب کہ مالی نقصان کا تو اندازہ ہی نہیں---سونامی زلزلہ اب تک دنیا میں رونما ہونے والے پانچ بڑے زلزلوں میں سب سے بڑا آبی زلزلہ ہے، جس کی ہلاکت آفرینیوں کے پیش نظر ماہرین نے اس کی شدت کو دس ہزار ایٹم بم گرائے جانے کے برابر قرار دیا ہے---مقام شکر ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے پاکستان کو کسی کڑی آزمائش میں نہیں ڈالا---پاکستان کے ساحلی علاقے بھی اسی بحری پٹی میں واقع ہیں، یہاں بھی اس حوالے سے خوف و ہراس پایا جاتا تھا، الحمد للہ ہمارا ملک خدا کے فضل و کرم سے محفوظ رہا---تباہی و بربادی کے اس افسوس ناک اور قیامت خیز طوفان میں انسانوں کے لیے عبرت و موعظت کے بہت سے پہلو ہیں:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ﴾---[قٓ:۳۷]

"بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو کر سنے"----

اس آبی زلزلے میں پاکستان اور عالم اسلام کے لیے یہ سبق بھی موجود ہے کہ وہ خدا کے سوا زمینی ناخداؤں کو سپر پاور سمجھنے کے بجائے صرف اور صرف خالق حقیقی پر کامل اکتفا کریں---حقیقت یہ ہے کہ بحر و بر کے فسادات اور آفات، شامت اعمال کا نتیجہ ہیں:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾---[الروم:۴۱]

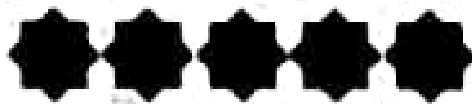
"خشکی اور سمندروں میں فساد پھیل گیا ان کرتوتوں کی وجہ سے جو لوگوں نے کیے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ان کی بعض بداعمالیوں کا مزا انھیں چکھائے کہ وہ باز آ جائیں"---

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے پاکستان کو اس ناگہانی طوفان سے جس طرح محفوظ رکھا ہے، اس پر اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے اور رجوع الی اللہ کی ضرورت تھی، مگر پاکستانی طبقہ اشرافیہ نے نئے عیسوی سال کا استقبال جس بے ہنگم ناچ گانے، بھنگڑے اور طوفان بدتمیزی برپا کر کے کیا اور اب جس زور و شور سے ہندوانہ تہوار بسنت کو قومی سطح پر منانے کی تیاریاں کی جارہی ہیں، وہ لمحۂ فکریہ ہے--- من حیث القوم اگر ہم سونامی طوفان کی ہلاکت خیزیوں سے سبق حاصل کرنے کے بجائے اپنی خرمستیوں سے باز نہ آئے تو شقاوت و بدبختی کی انتہا ہوگی---

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ اور رجوع الی اللہ کا اہتمام کریں--- اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور آفات و بلیات سے محفوظ رکھے---

بصیرپور شریف — (صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

۲۶ر جنوری ۲۰۰۵ء — مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب



امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

پروفیسر سید ابوبکر غزنوی

حضور اقدس ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ جو جو انہیں محبوب تھا، ہم بھی انہیں چاہیں اور ان سے پیار کریں۔ جن جن سے تعلق خاطر تھا، ہم بھی ایک قلبی رابطہ ان سے محسوس کریں، اگر ہم ایسا محسوس نہیں کرتے تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہماری محبت میں نقص ہے اور ہزار ہم محب رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ کریں، اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو یہ حب رسول ﷺ محض ایک فریب نفس ہے۔ جو لباس محبوب پہنتا ہے اور جس میں اس کی خوش بو بسی ہوتی ہے، جی کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ایک عاشق نے کہا:

اے گل بتو، خورسندم تو بوئے کسے داری

''اے پھول! تو اس لیے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے یار کی خوش بو آتی ہے'' ---

اس گھر کے در و دیوار پر پیار آتا ہے، جس میں محبوب نے زندگی بسر کی ہو۔ قیس عامری کہتا ہے:

اَمُرُّ عَلَی الدِّیَارِ دِیَارِ لَیْلٰی
اُقَبِّلُ ذَالْجِدَارَ وَ ذَالْجِدَارَ
وَ مَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِی
وَ لٰکِنْ حُبُّ مَنْ سَکَنَ الدِّیَارَ

''میں لیلیٰ کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں، کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، کچھ ایسی بات نہیں کہ ان کے گھروں کے پتھروں اور اینٹوں پر ہی ریجھا ہوا ہوں، نہیں یہ تو اس کی محبت کا تقاضا ہے جو ان گھروں میں رہتا تھا'' ---

وہ راہیں جن سے یار گزرتا ہے، ان راہوں پر پیار آتا ہے:

وہاں وہاں ابھی رقصاں ہے بوئے عنبر و گل
جہاں جہاں سے چمن میں بہار گزری ہے

قیس عامری کہتا ہے:

من آل لیلٰی و این لیلٰی

''لیلٰی اب کہاں ہے، لیلٰی کے بچوں کے چہروں میں لیلٰی کی جھلک دیکھتا ہوں''---

یہ محبت کی عام عادات ہیں، محبت تو جہاں بھی ہوگی، اس کے برگ و بار یہی ہیں، ان کیفیتوں کا حال صحابہ کرام سے پوچھو، آپ ﷺ کے وضو سے جو پانی بچ جاتا، صحابہ کرام اس پر جھپٹ پڑتے۔

[صحیح بخاری، کتاب الوضو، باب استعمال فضل وضوء الناس/نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الانتفاع بفضل الوضوء]

صحابہ اسے تبرکاً اور تیمناً جسم سے ملتے تھے۔ آپ ﷺ کا لعاب مبارک صحابہ کرام کے ہاتھوں پر گرتا تھا، آپ ﷺ حجامت کراواتے تو عاشقوں کا آپ ﷺ کے گرد ہجوم ہوتا تھا اور آپ ﷺ کے بالوں کو سر سے اترتے ہی اچک لیتے تھے۔ [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی قرب النبی]

صحابہ کرام علیہم الرضوان، آپ ﷺ کی ان نشانیوں کو آخرت کا توشہ سمجھتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اپنے آپ ﷺ سے جدا نہ کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تو ان کی والدہ آپ ﷺ کے پسینے کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں اور اپنے عطر میں ملا لیتی تھیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو انہوں نے نصیحت کی:

''میرے لاشے میں حنوط ملو تو اس میں حضور کے پسینے میں بسا ہوا عطر بھی ملا لینا''---[صحیح بخاری، کتاب الاستیذان]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آپ کی ایک قمیص، ایک تہہ بند، ایک چادر اور چند موئے مبارک تھے، انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھے ان کپڑوں میں دفناؤ اور یہ موئے مبارک میرے ساتھ رکھو۔

ایک دن حضور اقدس ﷺ، حضرت ام سلیم کے گھر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سُلیم نے مشکیزے کا دہانہ کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ میرے آقا ﷺ کے مقدس ہونٹوں نے اس دہانے کو مس کیا تھا۔ [طبقات ابن سعد]

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے، اس کی گلیاں عزیز، اس کا آستانہ عزیز، اس کا پیرہن عزیز، اس کی جوتیاں عزیز، اس کا گھرانہ عزیز اور اس کے خادم عزیز۔

پس اس ذاتِ اطہر واقدس ﷺ کی محبت کا بھی یہ تقاضا کہ اہل بیت سے محبت ہو۔ جیسا کہ خود رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی بنا پر میرے گھرانے کے افراد سے محبت کرو''---[ترمذی]

پھر گھرانا بھی وہ کہ خود خدا آخری صحیفۂ آسمانی میں ان سے خطاب کرتا ہے اور ان کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرماتا ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا﴾---[الاحزاب:۳۳]

''(اے پیغمبر ﷺ کے گھر والو!) خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی دور کردے اور تمہیں ایسا پاک، صاف کردے جیسا کہ پاک، صاف کرنے کا حق ہوتا ہے''---

وہ جن کی عظمت وعزت کا یہ عالم کہ قرآن مجید میں ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْماً﴾---[الاحزاب:۵۶]

''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو''---

تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجیں، آپ ہمیں حکم سکھائیں کہ ہم آپ پر کیسے درود بھیجیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یوں کہو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ---[صحیح مسلم]

وہ جن کے مجد وشرف کا یہ مقام کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں کتاب اللہ کے ساتھ آپ نے ان کا ذکر کیا:

''میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ چلا ہوں، اللہ کی کتاب اور میرے گھرانے کے افراد''---[صحیح مسلم]

وہ جن کی فضیلت کعبے کا دروازہ تھام کر آپ ﷺ نے یوں بیان فرمائی:

''دیکھو! میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوح کی سی ہے، جو اس میں سوار ہوا بچ گیا، جو اس سے دور رہا ہلاک ہو گیا'' --- [مسند امام احمد، عن ابی ذر]

وہ جن کے احترام کو ملحوظ رکھنے کے لیے آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی:

''کتاب اللہ اور اہل بیت ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، حتیٰ کہ وہ حوض کوثر میں میرے پاس پہنچ جائیں گے، پس خیال رکھنا کہ میرے بعد تم ان سے کیا سلوک کرتے ہو'' ---

بالخصوص حضرات امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آپ کو ایک خاص قلبی لگاؤ تھا، ان کی پیدائش کے وقت خود حضور ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی تھی اور اپنا لعاب مبارک ان کے دہن میں ڈالا تھا، آپ ﷺ انہیں چومتے تھے اور سینے سے لگا کر بھینچتے تھے۔

وہ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ کے انوار و برکات کی معرفت حاصل ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کیسی سعادت عظمیٰ ہے، جو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حصے میں آئی۔ بارگاہ رسالت میں جن کی محبوبیت کا یہ عالم کہ آپ ﷺ فرمائیں:

''حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یہ میرے بیٹے، میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما'' ---

وہ جن کے بارے میں آپ ﷺ فرمائیں:

''حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں'' --- [ترمذی]

وہ جن پر آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، حضرات حسن اور حسین سرخ قمیص پہنے ہوئے آئے اور چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے، رسول اکرم ﷺ منبر سے اترے اور دونوں کو گود میں اٹھایا اور فرمایا:

''میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے ہیں تو............ اپنی بات قطع کرتے ہوئے میں نے انہیں اٹھا لیا'' ---

جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت حسن کی عمر پانچ برس اور بعض روایتوں کے مطابق سات برس تھی۔ البدایہ والنہایہ میں ہے:

''حضرت صدیق اکبر، حضرت امام حسین کا احترام کرتے تھے اور ان کی تعظیم بجا لاتے

تھے اور یہی حال حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کا تھا"---

یہ بیان حضرت حافظ ابن کثیر کا ہے، جو نہایت محتاط مورخ اور بلند پایہ محقق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت ابوبکر ان سے محبت کرتے تھے، بلکہ اس پانچ سات سال کے بچے کی تعظیم بجالاتے تھے۔

اسی طرح تمام صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا ذرا پیٹ کھولیے، جہاں حضور سرور عالم ﷺ نے بوسہ دیا تھا، وہیں میں بھی بوسہ دوں گا۔ انہوں نے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور آپ نے وہیں بوسہ دیا۔ [مسند امام احمد]

ایک بار بہت سے لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کہنے لگے، میں تمہیں بتاؤں کہ زمین پر رہنے والوں میں سے آج آسمان والوں کو کون سب سے زیادہ محبوب ہے، یہی جو جا رہا ہے۔

صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو جو محبت اور عقیدت حضرات امام حسن اور امام حسین سے تھی، اس کا سرچشمہ وہی عشق اور والہانہ شیفتگی تھی جو صحابہ کرام کو حضور ﷺ کی ذات گرامی سے تھی۔

اک بات اس میں پائی تھی شوخی یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کے ساتھ

پس جس گھرانے کی محبوبیت کا یہ عالم ہو، اس کی محبت اور یاد میں جو صبحیں اور شامیں بسر ہو جائیں، حاصل عمر رائیگاں ہیں۔ ان کی مدح و توصیف میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں، کم ہے۔ ان کی یاد روح کی پاکیزگی اور دل کی طہارت ہے۔

ساتھیو! اپنے حریم دل میں جھانک کر دیکھو، اگر اس دل میں اہل بیت کی محبت اور بالخصوص حسین بن فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی محبت نہیں پاتے ہو تو تم یقین کر لو کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمہاری محبت بھی محض فریب نفس ہے۔ صحابہ کرام کو دیکھو کہ آپ ﷺ کا پسینہ، آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی، آپ ﷺ کے موئے مبارک، حتیٰ کہ آپ ﷺ کا لعاب دہن بھی انہیں عزیز تھا۔ پھر آہ صد ہزار آہ و حرمان! اگر تم اپنے سینوں کو حسین بن فاطمہ بنت محمد ﷺ کی محبت و تعظیم سے خالی پاتے ہو، یہ بہت بڑی محرومی ہے اور شقاوت۔ تم یقین کرو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اگر تمہارے رگ و پے میں اتر جائے تو تم ان کے غلاموں کے غلاموں کا بھی ادب کرو۔

آہ! یہ کیسی للّٰہیت کی موت اور ایمان کی جان کنی ہے کہ بعض علمائے دین، منبر رسول ﷺ پر

کھڑے ہو کر اس محبوب بارگاہ رسالت، اس جگر گوشۂ بتول کا ذکر حقارت آمیز لہجے میں کرتے ہیں، وہ گھرانہ جس سے تم نے فیض حاصل کیا، وہ جن کی جوتیوں کے صدقے میں تمہیں ایمان و اسلام کی معرفت حاصل ہوئی، تم کو کیا ہوا کہ تم ان ہی کی عیب چینیاں کرتے ہو، پھر اس عیب چینی اور خردہ گیری کے لیے تمہیں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے سوا اور کوئی جگہ نہیں ملتی، پھر تم اپنے لب و لہجہ کو تو دیکھو، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شمر بن ذی الجوشن، یزید اور ابن زیاد نے اہل بیت کے خلاف مقدمے میں تمہیں اپنا وکیل بنالیا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

"جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں"---

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ولی ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ وہ صحابی بھی تھے اور اہل بیت میں سے بھی تھے۔ وہ صرف صحابی ہی نہ تھے، جلیل القدر علماء صحابہ میں سے تھے۔ وہ صرف اہل بیت میں سے ہی نہ تھے، محبوب بارگاہ رسالت ﷺ تھے۔ پس حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی، ان کی تنقیص، ان کے بارے میں سوئے ادب، سراسر موجب حرماں ہے۔

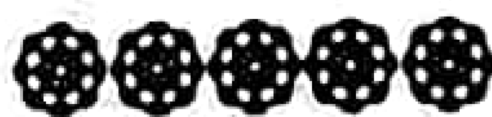
از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب

ساتھیو! تمہارا محض جی بہلانے کے لیے یا تمہیں خوش کرنے کے لیے تو میں نہیں لکھتا ہوں۔ خدا محض اپنی رضا اور خوشنودی کے لیے لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، تمہاری رنجش اور خوشنودی سے کیا ہوتا ہے:

از رد و از قبولِ تو فارغ نشستہ ایم
اے آں کہ خوب نہ شناسی سرشتِ ما

وہ بیماریاں جو تم میں اور مجھ میں نہیں ہیں، میں ان پر بات کیوں کروں کہ ایسا کرنا محض تضیع اوقات ہے، لکھنے کا مقصد تو اصلاح حال ہے، کبھی مادہ فاسد کے اخراج کے لیے جراحی کا عمل ناگزیر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نشتر لگتا ہے تو مریض کو تکلیف تو ہوتی ہے مگر یہ تکلیف بڑی سودمند ہے۔ **دوستو!**

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی



ذکر حسین رضی اللہ عنہ

شاعر نعت راجا رشید محمود

جو قوم اپنے محسنوں کو بھول جائے، وہ سطح گیتی پر زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی--- جن شخصیتوں کے دم قدم سے ہمیں اسلام کی برکات سے متمتع ہونے کے مواقع ملے، جنہوں نے دین متین کے لیے اپنا تن، من، دھن، اپنے عزیز و اقارب، اپنے رفقاء و احباب، سب کچھ قربان کردینے کی لگن سے بہرہ ور ہونے کے ثبوت فراہم کیے، جو ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کے فیضان تربیت سے مجلّٰی ہوئے، دین پر جن کے احسانات کی فہرست طویل ہے--- اگر ہم انھی کی یاد سے غافل ہو جائیں تو من حیث المجموع ہماری زیست کا جواز کیا ہے؟---

جن لوگوں نے حضور پرنور ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ کے ارشادات کو سنا، آپ ﷺ کی تعلیم کو حرز جاں بنایا، حضور ﷺ کی سیرت پاک جن کی آنکھوں کے سامنے تھی، جنہیں حضور فخر موجودات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوش تربیت نصیب ہوئی، جنہیں حضور ﷺ نے نوجوانان جنت کا سردار قرار دیا ہو، جن سے محبت کرنے والوں کے متعلق سرکار دوعالم ﷺ نے خدا سے کہا ہو کہ ”خدایا! تو انھیں محبوب رکھ“، جو آقا ﷺ کے نبیرۂ محترم ہوں، جنہوں نے دین حق کی سربلندی اور اس کے نفاذ و نفوذ کے لیے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں تک قربان کر دی ہوں، ان کی یاد کو دل و دماغ سے محو کر دینے والا شخص کیا محض روشن مناروں سے مستنیر نہ ہونے والے ظلمت و ضلالت کے اندھیاروں ہی کا شکار نہیں رہیں گے؟---

جو قوم اپنے محسنوں کے نقوش پا سے اپنے دل و دماغ کو جلا نہ بخشے، ان کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے سے صرف نظر کرے، ان کی زندگیوں سے اکتساب فیض نہ کرے، انھیں بھول جانے کی حماقت

میں مبتلا ہویا ان کے پیغام اور ان کی سیرت کو حرزِ جاں نہ بنائے اور ان کی یاد سے اپنی زندگیوں کے ہر لمحے کو بابرکت نہ کرے، وہ بہت جلد صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہے--- جن بزرگوں نے ہمیں تبلیغ و تشہیر اسلام کی راہیں سجھائیں، اپنے اعمال و افعال سے اسلام کے احیاء و فروغ کے لیے قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا کیا، آقا و مولا ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا، حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے مصائب و مشکلات کا جھیلنا سکھایا اور اس سبق کو عام کیا، ایسے بزرگوں کی تعلیمات کو عام کرنا، ان کے ذکر سے زبان و قلم کو جلا بخشنا اور ان کی یاد سے قلوب و اذہان کو سنوارنا ہماری ملی زندگی کے لیے آبِ حیات کا کام دے گا اور اس میں کوتاہی سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے---

دنیا کی ہر زندہ قوم اپنے رہنماؤں، اپنی تاریخ کے بڑے لوگوں کی یادیں منانے کا اہتمام کرتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ اس اہتمام کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں کہلا سکتی، زندہ نہیں رہتی---

ہم مسلمانوں کو بھی اپنے رہنماؤں اور محسنوں کی یاد سے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو روشن کرنا چاہیے--- ان کے ذکر سے اپنی محفلوں کو بارونق بنانا چاہیے--- ان کی محبت کو شعار کرنا چاہیے--- ان سے عقیدت و ارادت کے اظہار کی روش اپنانی چاہیے--- یہ یادیں اگرچہ ہمارے لیے سرمایۂ حیات اور سرمایۂ آخرت ہیں، مگر ظاہر ہے کہ مسلمان اس معاملے میں بھی دوسری قوموں سے الگ انداز رکھتے ہیں--- یہاں بھی اس کا تشخص اور انفرادیت اس کے لیے الگ راہ متعین کرتی ہے--- ہمیں اس یاد کو خدا جل جلالہ اور رسول خدا ﷺ کے احکام کے تابع ہو کر منانا ہے اور ان کی سیرتوں سے استفادہ کرنا ہے--- ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے اور جن باتوں سے انھوں نے زندگی میں احتراز کیا ہے، ہمیں بھی ان سے بچنے کے لیے تگ و دو کرنی ہے---

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، رسول کریم ﷺ کے نواسے تھے--- سرکار انھیں بہت پیار کرتے تھے--- معلم کائنات فخر موجودات ﷺ نے خود ان کی تربیت کی--- وہ باب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لخت جگر تھے--- سرور کونین ﷺ نے اور حضرت ابوتراب رضی اللہ عنہ نے ان کی تربیت کی--- پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ دین حق ان سے کوئی قربانی چاہے اور وہ نہ دیں--- وقت انھیں پکارے اور وہ پیٹھ دکھائیں--- ظلم و جور انھیں للکارے اور وہ اس کا سامنا نہ کریں--- حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے دین کو فسق و فجور کے چنگل سے محفوظ کیا--- ظلم و استبداد کی حکومت کو لرزا کر رکھ دیا اور حق و صداقت

کے پرچم کو سرنگوں ہونے سے بچالیا--- کربلا کے بے آب و گیاہ میدان میں جب ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، جب حالات نے ان سے بیٹوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور ساتھیوں کی رفاقت کی قربانی طلب کی اور جس وقت شہادت کی سرفرازی انھیں گلے لگانے کے لیے لپکی تو انھوں نے شدائد کو خوش آمدید کہا--- اعزہ و احباء کی زندگیوں کو خدا کی راہ میں نچھاور کر دیا اور خود اپنی زندگی کو شمشیر و سناں کی سان پر چڑھا دیا مگر احقاق حق اور ابطال باطل کی روش ترک نہ کی--- پائے استقلال و استقامت میں لغزش نہ آنے دی--- اپنے موقف سے دست بردار نہ ہوئے:

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی
آزادیٔ ضمیر کا یہ سرمدی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

خداوند کریم ﷻ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتے، کچھ نہیں کرتے--- حضور ﷺ کے ارشادات و سیرت میں حکمت ایزدی ضوفگن ہے، چناں چہ جب آقا ﷺ فرماتے ہیں کہ "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں" یا جب خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ "حسن و حسین سے بھی محبت کر اور ان لوگوں سے بھی، جو ان دونوں سے محبت کرتے ہیں" یا جب سرکار ﷺ انھیں جوانان خلد کا سردار فرماتے ہیں یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے رونے سے بے حد تکلیف محسوس کرتے ہیں اور خطبہ چھوڑ کر انھیں گود میں لے لیتے ہیں تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو عزیز کیوں نہ ہوتے:

حسین، دوش محمد (ﷺ) کا باوقار سوار
حسین فخر پدر، جان حیدر کرار

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ذی وقار نانا کی شفقت کے سائے سے ساڑھے سات سال تک مستفید ہوتے رہے--- وہ نانا، جو خدا کے محبوب تھے مگر راتیں عبادت میں کھڑے کھڑے گزار دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ خود خالق و مالک کو کہنا پڑا ﴿قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا﴾---

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حیات پاک پر تربیت کا پہلا عکس ان کا تھا جو سروں کو خداوند تعالیٰ کے آگے جھکانے کی خاطر مبعوث کیے گئے تھے--- انھوں نے قرآن خوانی کی زمزمہ آرائیوں میں

مصروف لبوں سے محبت کا سبق لیا--- ہر وقت یاد خدا میں مستغرق رہنے والی ماں کی گود میں پرورش پائی اور شب زندہ دار باپ کی عنایت دیکھی--- آپ نے بادشاہ کونین، ابوتراب اور خاتون جنت کی آغوش شفقت میں تعلیم و تربیت حاصل کی--- ان کی پرورش ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں رات دن سوائے ذکرِ خدا کے کسی اور کام کا چرچا نہ تھا--- پھر ذوق عبادت ان کی رگ و پے میں کیسے جاری و ساری نہ ہوتا؟--- دوران عبادت ان کی آنکھیں، اشکوں کے سیل رواں میں کیوں نہ ڈوب جاتیں؟--- وہ خدا کے حضور پیکر عجز و انکسار اور سراپا نیاز کیوں نہ ہوتے؟--- زہد و ورع ان کی زندگی کا امتیاز کیوں نہ ہوتا اور کس لیے خدا کے پیارے، رسول کے دلارے حسین، خون کے بادلوں کی گرج چمک میں بھی عجز و تضرع کے پیکر اور عبودیت و طاعت کے شاہ کار نظر نہ آتے---

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے سرپرست رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ تھے، جن کی فصاحت و بلاغت پر عرب کے سارے فصحاء دم بخود تھے:

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

افصح عالم ﷺ کی چشم عنایت سے اور باب مدینۃ العلم حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی تعلیم کے باعث حضرت امام ہمام کے خطبات، قادر الکلامی اور زبان دانی کا معیار ہیں تو آپ کی تحریریں اختصار اور جامعیت کا شاہ کار ہیں--- آپ کی تحریر و تقریر میں حکمت و موعظت کی عمل داری دکھائی دیتی ہے اور قلزم الفاظ سے گہرہائے مفاہیم و معانی ذہنوں کو جلا بخشتے ہیں--- معرفت و حکمت کے باعث آپ کی تحریریں پڑھنے والوں کو مقصد تصنیف سے فوراً ہم آہنگ کر دیتی ہیں اور سلاست و روانی قاری کے دل میں گھر کر جاتی ہے---

سرور کون و مکاں ﷺ کی بعثت کا مقصد اول اخلاق کا فروغ تھا، اخلاق کی تکمیل و تعلیم تھا--- پھر ان سے فیض یاب ہونے اور ان سے فیض یاب ہونے والی دوسری شخصیتوں سے تربیت حاصل کرنے کے بعد امام حسین کا خلیق ہونا لازمی امر تھا--- اخلاق و مروت ان کی فطرت کا جز تھے--- منکسر المزاجی کو آپ نے اپنی عادات و خصائل کا طرۂ امتیاز رکھا--- آپ کی سخاوت و فیاضی اور دریا دلی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے--- متانت آپ کی شخصی خوبیوں میں بہت اجاگر تھی--- آپ مستقل مزاج، دلیر اور نڈر تھے--- آپ کے حسن سلوک سے ہر

ملنے والا آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا--- غرض آپ میں اخلاق عالیہ کے عنوان سے وہ تمام صفات موجود تھیں جو اپنے نانا اور والد کے اثر سے ہونی ضروری تھیں اور جن میں سے ہر صفت کسی کو معراج انسانیت پر پہنچا دیتی ہے--- انھوں نے درس تسلیم ورضا نہ صرف پڑھا بلکہ اپنے عمل سے اس کی تعلیم تمام دنیائے انسانیت کو دی--- ان خوبیوں کے ساتھ حضرت امام حسین ﷺ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا--- ان خصائل کے ہوتے ہوئے انھوں نے قوم کی آواز پر لبیک کہی اور حق کی پشتی بانی کے فرض کو نبھایا--- انھوں نے انسانیت کو سرخمیدہ نہ ہونے دیا--- حق گوئی اور حق پرستی کی مثال قائم کی اور سرفروشی کا عدیم النظیر نمونہ پیش کیا:

دے کے سر انسانیت کو کر دیا ہے سربلند
حشر تک ہے نوع انسانی پہ احسان حسین
حق پرستی، سرفروشی، عظمت انسانیت
یہ خدا کی راہ میں تھا ساز و سامان حسین!

انھوں نے عزیز واقارب اور دوست ساتھی سب راہ حق میں نثار کر دیے--- اپنی جان ہنس کر استبداد کے ہتھیاروں کی نذر کر دی، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ پائے استقلال میں لغزش آئے، جبین استقامت پر بل پڑے، ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ رہے اور آنکھ میں آنسو آئیں--- مصائب وشدائد، اتنے تو نہیں، جتنے ان پر آئے، مگر لوگوں پر آتے ہیں، آسکتے ہیں--- لیکن میں سمجھتا ہوں امام حسین ﷺ کی عظمت یہی ہے کہ انھوں نے ہنستے ہوئے یہ سب کچھ سہا، خوش دلی سے خدا کی راہ میں قربانیاں دیں، مسکرا کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی:

حسین ضبط و تحمل کی اک جلی تصویر
حسین صبر کی منہ بولتی ہوئی تصویر

تربیت کے فیضان سے انھوں نے صبر وثبات کی خون آلود تحریر تاریخ عالم کے صفحات پر رقم کر دی:

نبی کی گود کا پالا علی کا لخت جگر
ہے نور دیدۂ فطرت حسین ابن علی
کمال صبر و قناعت، کمال عزم و ثبات
کمال عز و شرافت حسین ابن علی

حوصلہ، استقامت، صبر، جرأت، ثابت قدمی--- یہ سب الفاظ اپنے معانی کو واضح اسی ایک صورت میں کر سکے ہیں کہ حسین ابن علی نے میدان کربلا میں ان کو عملی شکل دی--- اس سے پہلے جس موقع پر بھی یہ الفاظ استعمال ہوئے، اپنے مفہوم کو پوری طرح واضح نہ کر سکے:

تپش تھی ریت میں بھوبھل کی مثل پاؤں تلے
چمکتی دھوپ میں باحوصلہ حسین رہے

حسین نے زندگی اور موت کے معانی واضح کیے، ان کا فرق اجاگر کیا اور انھیں تسخیر کیا:

شکست موت کو اور موت ظلم کو دے کر
حسین فاتح مرگ و حیات کہلائے!

ان کی شہادت نے غیرت مند موت کو زندگی قرار دیا اور بے غیرتی، بے حمیتی کی زندگی کو موت ٹھہرایا:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور

جانیں گنوا کے لے لیا میدان کربلا
حسین فاتح مرگ و حیات کہلائے!

اب تا قیام قیامت، جب بھی حق و باطل کی آویزش کا ذکر چھڑے گا، فتح و شکست کی بات ہو گی، زندگی اور موت کا فیصلہ ہوگا، کسوٹی کرب و بلا کا میدان ہوگا، امام حسین کی قربانی ہوگی---

کربلا آزمائش کا معیار ہے
حشر تک کے لیے فیصلہ ہو گیا

یوم عاشوراء کی خصوصیات بے شمار ہیں مگر اس کا سب سے بڑا تخصص یہ ہے کہ اس دن سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی--- اس دن حق کی سرفرازی اور سربلندی کے نغمے سازِ حیات پر گائے گئے تھے اور باطل کی شکست اور سرخمیدگی کا عنوان، خونِ حسین سے لکھا گیا تھا:

حق کے لیے یہ دن ہے پیام حیات نو
باطل کے واسطے یہ شکست جدید ہے

اور حق کی سربلندی کے اس آہنگ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور جاں نثاروں

کی جاں سپاری کی صدائے بازگشت بھی شامل ہے--- ان کے کسی رشتہ دار نے، ان کے کسی دوست نے پیٹھ نہیں دکھائی، تأمل وتردد نہیں کیا، ان سے پہلے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا:

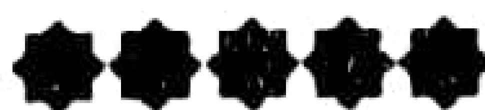
جس کو ہوتی حق کی قیمت پر متاعِ جاں عزیز
ساتھیوں میں تیرے ایسا آدمی کوئی نہ تھا

حقیقت یہی ہے کہ محسن ملت، شہید عظیم، نبیرۂ سرکار دوعالم، فرزند بتول، جگر گوشۂ مرتضیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے کارناموں کو یاد کرنا، ان کے ذکر سے اپنی محفلوں کو رونق بخشنا اوران کے استقامت، صبراور حوصلے واستقلال کی بات چھیڑنا بہت احسن ہے:

اے حسین! اب تک گل افشاں ہے تری ہمت کا باغ
آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تو نے دھو ڈالے جبین ملت بیضا کے داغ
تیرے دل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دماغ
فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تو آقا ہو، اس کو ناز کرنا چاہیے

مگرناز وافتخار کے اس دائرے کو اپنے عمل تک وسیع کرنے کی ضرورت ہے---اگر ہم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام لیوا، ان کا سا ذوق عبادت نہ رکھتے ہوں، ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی کرنا اپنا شعار نہ ہو، ان کے علم وفضل سے استفادہ کرنا ہم ضروری نہ جانیں، احقاق حق اور ابطال باطل کی اس روش پر چلنے کی کوشش نہ کریں، جس پر چل کر انھوں نے اپنے آپ کو زندۂ جاوید کرلیا، باطل خداؤں کے آگے سر جھکانا ہمارا شیوہ رہے اوردین کی خاطر قربانیاں دینے کے جذبہ سے ہم سرشار نہ ہوں، تو پھر ذکرِ حسین محض ایک رسم ہوگی اور محض رسموں میں جکڑی ہوئی قومیں، غلامی کی زنجیروں سے باہر نہیں آتیں، آزادی کی نعمتوں سے بہرہ یاب نہیں ہوتیں:

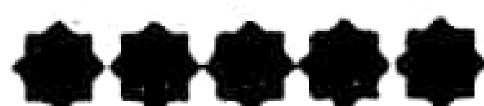
حق پہ مر مٹنے کا گر جذبہ نہیں
رسم دنیا ہے فقط ذکر حسین



نعت شریف

چہرۂ انور روشن روشن — روئے مبارک شاداں شاداں
قدم قدم ہے راحت راحت — لوح مبارک تاباں تاباں
برد یمانی سایۂ رحمت — چشمِ پرنم گریاں گریاں
دامنِ دل ہے پارہ پارہ — قلب حزیں ہے بریاں بریاں
اشک ندامت پلکوں پر ہیں — عصیاں کے غم سے لرزاں لرزاں
میری کہانی پانی پانی — حسن طلب ہے شاداں شاداں
دست کرم ہے جود کا عادی — قلب محمد ﷺ قرآں قرآں
نام میں اُن کے ٹھنڈک ٹھنڈک — ذکر ہے ان کا فصل بہاراں
چشم کرم انوار کی بارش — جلوۂ ابرو جلوۂ یزداں
لب کی تراوٹ مرہم مرہم — زخم ندامت خنداں خنداں
ان کا پسینہ عنبر عنبر — ان کا تبسم جان بہاراں
نعت تمہاری سن کے ظفر سے — دنیا ساری حیراں حیراں

مولانا عبدالحق ظفر چشتی



عاشوراء

حافظ نذیر احمد نوری

پہلے زمانے میں ایک شخص کفن چوری کیا کرتا تھا اور قریباً دو ہزار دو سو آدمیوں کے کفن اس نے چرائے تھے، آخر کار اس کام سے اس نے مشہور تابعی حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر توبہ کی--- حضرت خواجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ تو نے قبروں میں مسلمانوں کا کیا حال دیکھا ہے؟--- تو اس نے عرض کی کہ سب کا حال بیان کرنا تو نہایت مشکل ہے، صرف تین واقعات عرض کرتا ہوں:

اولاً

ایک قبر جو میں نے کھولی تو دیکھا کہ اس میں موجود شخص کا چہرہ نہایت سیاہ ہے، ہاتھوں اور پیروں میں آگ کی زنجیریں ہیں، منہ سے پیپ اور خون جاری ہے--- اس قدر بدبو تھی کہ میرا دماغ پھٹنے لگا اور میں وہاں سے الٹے پاؤں واپس بھاگا--- اس مردے نے مجھے آواز دی کہ یہاں آ اور میرا حال پوچھ کہ میں دنیا میں کیا کام کرتا تھا، جس کی وجہ سے میں اس عذاب میں گرفتار ہوں--- میں نے مڑ کر پوچھا کہ تو کون ہے؟--- اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور میں دنیا میں شراب پیتا اور زنا کرتا تھا اور اسی بدمستی کی حالت میں

مر گیا اور اس ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا ہوں ۔۔۔

ثانیاً

میں نے دوسری قبر کھولی تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ رو، برہنہ ہے اور اس کے چاروں طرف آگ جل رہی ہے اور پیاس سے اس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور گردن میں آگ کی زنجیریں پڑی ہیں ۔۔۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی فریاد کی کہ خدارا مجھے تھوڑا سا پانی پلایئے، میں پیاس سے سخت عاجز ہوں ۔۔۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ عذاب تجھے کیوں دیا جا رہا ہے؟ ۔۔۔ تو اس نے کہا کہ میں مسلمان تھا اور نماز ادا نہیں کرتا تھا ۔۔۔ یہ عذاب ترک نماز کی وجہ سے ہے ۔۔۔

ثالثاً

میں نے ایک اور قبر کھولی تو دیکھا کہ ایک نوجوان ایسا خوب صورت کہ میں اس کے حسن کا بیان نہیں کر سکتا، اس کی قبر باغیچہ بنی ہوئی ہے، پھولوں میں بچھے غالیچہ پر بیٹھا ہے، ان پھولوں کی خوش بو سے میرا دماغ معطر ہو گیا ۔۔۔ میں نے پوچھا کہ اے نوجوان! تو کون ہے اور کیا کام کرتا تھا، جس کے سبب تو نے یہ مقام پایا؟ ۔۔۔ اس نے کہا کہ میں ایک عام سا مسلمان تھا، لیکن میں نے ایک واعظ سے سنا تھا کہ جو شخص عاشور (دس محرم) کے دن چھ رکعتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے، اس کے بعد میں ہمیشہ عاشور کے دن چھ رکعتیں پڑھتا تھا ۔۔۔

پھر شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص شب یا روز عاشور میں چار رکعت نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو منکر نکیر کے سوال سے محفوظ رکھے گا اور اس کے دشمنوں کو اس سے خوشنود کرے گا ۔۔۔ فرمایا کہ میں نے کفایہ امام شعبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ماہ محرم میں ہر روز سو مرتبہ یہ کلمہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو آتش دوزخ سے رہائی دے گا ۔۔۔ وہ کلمہ یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَ لَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ هُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لَا رَادَّ لِمَا قَضَیْتَ وَ لَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ ۔۔۔

پھر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے منہ پر پھیر لے، حق تعالیٰ اس کو گناہوں سے اس طرح پاک کر

دے گا، گویا ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے---

فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

مَنْ صَامَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَکَاَنَّمَا صَامَ الدَّھْرَ کُلَّهٗ---

''جس نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا تو گویا اس نے تمام سال کے روزے رکھے''---

فرمایا کہ شب عاشور میں چار رکعت نفل پڑھے، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد تین بار آیت الکرسی اور دس بار سورۃ اخلاص پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر سو مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے---

فرمایا کہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اوراد میں خاص انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ عاشور کے دن چھ رکعت نفل ادا کرے، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ شمس، سورۃ قدر، سورۃ زلزال، سورۃ اخلاص، سورۃ فلق اور سورۃ ناس ایک ایک بار پڑھے، پھر سلام کے بعد سجدے میں سر رکھ کر سورۃ کافرون پڑھے، حاجت پوری ہوگی---

پھر فرمایا کہ اسی میں لکھا دیکھا ہے کہ عاشور کے دن جو شخص ستر (۷۰) بار:

حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ---

پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اولیاء اللہ اور مشائخ کبار کی جماعت میں اس کا نام درج فرمائے گا---

فرمایا کہ صحیح روایات میں آیا ہے کہ ماہ محرم کی پہلی شب دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک بار سورۃ یٰس شریف پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں دو ہزار محل عطا فرمائے گا، ہر محل میں دو ہزار دروازے یاقوت کے اور ہر دروازے پر ایک تخت زبرجد سبز کا بچھا ہوگا اور یہ نماز چھ ہزار بلاؤں کو دور کرتی ہے اور چھ ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں---

مسطورہ بالا تمام ارشادات مقدسہ وہ ہیں جو نو اور دس محرم الحرام ۶۵۴ھ کو حضرت شیخ الاسلام والمسلمین بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک نورانی مجلس میں بیان فرمائے اور جنہیں سن کر آپ کے محبوب خلیفہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فارسی زبان میں مرتب کر کے اس کا نام ''راحت القلوب'' رکھا---

